لسانی الحاد اور لغوی فساد

رسالہ بلاغ القرآن، شمارہ اگست ۲۰۰۹

جوابی توضیحات

از طرف اورنگزیب یوسفزئی

جناب محترم انجینئر عبدالحمید فاروقی کا مضمون نظر سے گزرا - درج بالا عنوان کے تحت یہ مضمون قرآن میں مذکورہ 'عبادات' کی چند اصطلاحات کے تحقیق جدید کے تحت کئے گئے تراجم کی تنقیح اور رد پر مبنی ہے۔ ان عباداتی اصطلاحات میں جناب نماز سے ابتداء کرتے ہیں اور اس کے قرآنی مرادف صلوۃ کے حقیقی معانی کی وضاحت کئے بغیر اگلے لفظ ماء اور الماء پر تشریف لے جاتے ہیں- یہاں البتہ کچھ توقف فرماتے ہیں اور دو آیات قرآنی (النحل:۱۰ اور الواقعۃ: ۶۹۔۶۸) کا اس لفظ کا معنی ''پانی'' ثابت کرنے کے ضمن میں حوالہ سپرد قلم کرتے ہیں۔ پھر واپس عبادت کے طرف آتے ہوئے ''تسلسل عملی'' اور ''زماں و مکاں کی گواہی'' جیسی کچھ مہملات و مجہولیات کا گھسا پٹا راگ الاپتے ہوئے فوراً ہی عربی زبان کی تعریف کی طرف پلٹتے ہیں۔ اسکے ابلاغیاتی پہلو اور اس کی اصطلاحات کے ''نقطہء تعدیل'' پر زور دیتے ہوئے الروم: ۲۲ کا حوالہ صرف اس لئے دیتے ہیں کہ اسمیں ''زبانوں کے اختلاف'' کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ پھر قطعی غیر متعلق طور پر آل عمران: ۱۹ اور ۸۵ کو درج کرتے ہیں کہ جسکا موضوع زیر تحقیق سے کوئی بھی تعلق نہ ہے۔ یہ کچھ کرنے کے بعد پھر ''پانی'' کا ذکر خیر آجاتا ہے، جہاں سے فوراً رمضان کے ''غلط معنی'' کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پھر عربی زبان کے سہ حرفی مادہ، ابواب، فعل لازم و متعدی، مصادر و مشتقات پر کچھ جواہر پارے عطا فرماتے ہوئے ایک سہ لائن کی ' تحقیق جدید' بھی ارشاد فرماتے ہیں۔ اور وہاں سے یکدم ''منکرین عبادات'' (صلوۃ۔۔۔صوم۔۔۔زکوۃ۔۔۔حج وغیرہ) کے دانش و اجتہاد کو صرف ذاتی لفاظی کی بنیاد پر

پھٹکارنے کی کوشش فرماتے ہیں۔ تاویلات قرار دیتے ہیں ۔اور چند ہی لائنوں کے بعد اسی پیراگراف میں لفظ [نساء] کے معنی کی بحث شروع فرما دیتے ہیں۔ وہاں البتہ یہ صریحاً غلط الزام صادر فرماتے ہیں کہ نساء کا دوسرا معنی تین چیزوں کو سامنے لائے بغیر تاویلاً ایجاد کر لیا گیا ہے ۔ وہ تین چیزیں درج ذیل ہیں :۔

تصریف آیات

معروف و متداول لغات اور

زبان و ادب کے جملہ قابل فہم اسالیب

اب ظاہر ہے کہ یہاں صحافیانہ بددیانتی اور افسوسناک غلط بیانی سے کام لیا گیا ہے۔ یہ وہ الزام ہے جسے سپرد قلم کرنے سے قبل یہ اطمینان کر لینا لازم تھا کہ آیا واقعی تینوں مندرجہ بالا نکات کو نظر انداز کیا گیا ہے یا نہیں۔ جواب یقیناً وہی ہوتا، اور اب بھی یہی ہے، کہ نہیں کیا گیا۔ اور ٹھیک اسی نکتے پر ایک محقق یا لکھاری، وفور جذبات سفلیہ میں ، اپنے مقام و مرتبہ سے گر جایا کرتا ہے۔ البتہ یہاں سے آگے مضمون میں صرف نساء ہی نساء ہے جس سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہی لفظ مضمون کا نقطہء ماسکہ ہے۔

جناب محترم کے مضمون کا پہلا نصف قطعی بے ترتیب اور غیر مربوط ہے اور مختلف النوع نکات پر برجستہ پھدکتے پھرنے کا ایک عمدہ نمونہ ہے۔ اور نتیجتاً جواب پیش خدمت کرنے کیلئے دقت نظر کا طالب ہے۔ اس لئے ناچیز ذیل میں وہ الفاظ ترتیب دیدیتا ہے جن پر غلط معانی کا بہتان لگایا گیا ہے۔ پھر ''تصریف آیات'' اور ''معروف و متداول لغات'' اور ''عربی زبان کے قابل فہم اسالیب'' کے مطابق اپنی ''بے گناہی'' خدمت عالی میں پیش کرنے کی جسارت کرتا ہے۔ الفاظ تحت اعتراض یہ ہیں :۔

۱۔ نماز

۲۔ ماء یا الماء

۳۔ رمضان

۴۔ نساء

۵۔ مرض

۱۔ نماز

موصوف کا یہ تبصرہ درست ہے کہ مختلف زبانوں میں عبادتی اصطلاح مختلف الفاظ سے تعبیر کی جا سکتی ہے اگرچہ کہ معانی وہی عمل پرستش رہینگے جو اسکے اصلی مرادف (یہاں 'صلٰوۃ') کے ہونگے۔ مگر نفس مضمون کسی اور ہی نکتے کی طرف اشارہ کر رہا ہے جس کی طرف جناب (اگر واقعی راقم کا اندازہ درست ہے...) کھل کر وضاحت کرنے سے قاصر و خائف رہے۔ دراصل موضوع لفظ نماز کی مخالفت ہے ہی نہیں، بلکہ اس سے ، لفظ صلٰوۃ کی تطبیق میں ، یہودی روایات کے تحت جو عمل پرستش مراد لیا جاتا ہے، اسکا باطل ثابت ہو جانا ہے۔ صلٰوۃ کی اصطلاح، جناب کی عائد کردہ تینوں شرطوں کے مطابق، اسکے حقیقی لغوی اور اصطلاحی معانی کے ساتھ، تفصیلاً اور وضاحتاً کتابچہ 'حقیقت صلٰوۃ' از ڈاکٹر قمر زمان میں مکمل طور پر دے دی گئی ہے جو جناب کے زیر نظر ہے۔ جس نکتے پر کوئی تسامح جناب کو نظر آئے، حوالے کے ساتھ واضح فرمائیں اور غلطی کی تصحیح یا مزید وضاحت کرنے کا موقع فراہم کریں۔ نیز مطالعہ فرمائیں ''صلٰوۃ کے وہ معنی جو قرآن نے بتائے'' از عزیز اللہ بوجیو۔

۲۔ ماء یا الماء :

صرف ایک آیت مبارکہ جناب کی لن ترانیوں اور الزام تراشیوں کا منہ بند کرنے کیلئے کافی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

سورۃ انفال:

و ینزل علیکم من السماء ماء لیطھرکم به و یذھب عنکم رجزاً لشیطٰن و لیربط علٰی قلوبھم و یثبت به الاقدام ۰

''اور وہ نازل کرتا ہے آسمان سے پانی کہ جس کے ذریعے وہ تمہاری تطہیر کرے اور تم سے شیطان کی گندگی دور کرے اور تمہارے دل مربوط کرے اور تمہیں ثابت قدم رکھے۔''

جناب محترم نے دیکھ لیا یہاں 'ماء من السماء' یعنی آسمانی پانی کا کیا معانی ہے۔ دلوں کو مربوط رکھنے کا کام کسی بارش کے پانی سے نہیں ہوتا۔ نہ ہی انسان کے ارادوں کو ثابت قدم

رکھے کیلئے پانی کسی کام آ سکتا ہے اور نہ ہی شیطانی اعمال کی گندگی سے بچا سکتا ہے۔ یہ کام تو صرف وحی الٰہی ہی کر سکتی ہے جو بیشک آسمانوں سے ہی نیچے آتی ہے۔ امید ہے جناب کا ذہنی الجھاؤ اور تناؤ دور ہو گیا ہوگا۔ مزید آیات مبارکہ بھی پیش کی جا سکتی ہیں اگر مطالبہ ہو تو۔

۳۔ رمضان

فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص کا نام رمضان ہے تو وہ اسی نام سے ہی لکھا اور پکارا جائے گا نا کہ اسکے لغوی معنی یا مفہوم ''تپش یا گرمی کی شدت'' سے۔ دست بستہ عرض ہے کہ یہاں انسانوں کے رکھے ہوئے نام زیر تحقیق ہرگز نہیں ہیں۔ بلکہ الفاظ کے معنی از روئے لغات قرآن اور حسب سیاق و سباق، بموضوع عبادت، زیر بحث ہیں۔ اک ذرا توجہ موضوع کی باریکی ہی کی طرف مرتکز رکھنے کی استدعا ہے۔ لفظ رمضان کا یہودی الاصل مسلم علما کا دیا ہوا معنی مروج رہنے میں ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔ البتہ بھوک، جو اللہ کا عذاب ہے اور معصیت کی سزا، اس سے مسلمان امت کو بچانے کی تمنا ہمیں اس لفظ کی تحقیق جدید تک ضرور لے آئی ہے۔ یہ حقیقت بھی اظہر من الشمس ہے کہ دو بدو لڑائی میں ایک بھوکا پیاسا شخص کبھی بھی ۵ منٹ سے زیادہ مقابلے پر ٹک ہی نہیں سکتا۔ تمام لڑائیوں کے مقابلوں میں کھائے پیے لوگوں کیلئے بھی لگاتار مقابلے کی حد ۳ منٹ کے دورانیے کا ایک راؤنڈ ہوتا ہے۔ آپ کہاں سے بھوکے پیاسے رہ کر لڑنے کی ''تربیت'' کی فیل مارتے ہیں؟ ملاحظہ فرمایئے:

شهر رمضان الذی انزل فیه القرآن

آپ کا ترجمہ: ''رمضان کا مہینہ جس میں قرآن اتارا گیا''۔

کیونکہ یہ ترجمہ ایک عدد بڑی غلط بیانی پر مشتمل ہے اس لئے غلط ہی قرار دیا جا سکتا ہے۔ قرآن حکیم کسی بھی ایک ماہ میں نازل نہیں ہوا بلکہ اسکا نزول پورے ۲۳ سال کے عرصے پر محیط ہے۔ آپ کہیں گے کہ ایسا نہیں ہے بلکہ قرآن کے نزول کی ''ابتدا'' ماہ رمضان میں ہوئی تھی۔ تو ظاہر ہے کہ تاویل اسی کو کہتے ہیں۔ اور ساتھ ساتھ تحریف بھی۔ کیونکہ آپ کو کوئی حق نہیں کہ قرآن کے الفاظ میں کسی لفظ کا ٹانکا لگائیں، خواہ وہ آپکی حسب خواہش مطالب لینے کیلئے ہی کیوں نہ ہو۔

اب آخر میں ''منکرین عبادات'' کا درست ترجمہ بھی پڑھ لیں تا کہ اسکی تحلیل و تنقیح سے غلطی ثابت کرنے کا پورا موقع جناب کو میسر ہو :

ظلم و تعدی کی تپش یا گرم بازاری کی وہ کیفیت یا صورت حال (شہر رمضان) جس کے بارے میں قرآن نازل کیا گیا'' (رمض کا مطلب وہ گرمی بھی ہے جو تلواروں کی دھاروں کو تیز کرنے کی رگڑ سے پیدا ہو، یعنی قتل و غارت گری کی گرمی)۔

آئت مبارکہ کا آخری حصے کا ترجمہ بھی ملاحظہ فرما لیں تا کہ معانی اپنے سیاق و سباق میں تسلسل کیساتھ فٹ بیٹھ جائے:-

فمن شہد منکم الشہر فلیصمہ: ''پس تم میں سے جو بھی اس خاص صورت احوال کا مشاہدہ کرے پس وہ اسکو روکے/اسکا سد باب کرے۔''

امید ہے بات واضح ہو گئی ہوگی۔

۴- نساء

''منکرین عبادات'' پر یہ تہمت کہ یہ نساء کے معنی خواتین سے انکاری ہیں، کہیں سے بھی ثابت نہیں کی جا سکتی۔ اس مفروضے پر جناب نے کافی فضولیات تحریر فرمادیں اور بات کا خواہ مخواہ بتنگڑ بنا دیا۔ ہم تو صرف یہ موقف قرآن سے ثابت کرتے ہیں کہ یہ لفظ استعارتاً بھی استعمال کیا گیا ہے اور خود باری تعالٰی نے استعمال فرمایا ہے۔ جہاں اسکا معنی کمزوری، کمزور طبقات اور بزدل گروہ ثابت ہوتے ہیں۔ دیکھیے: ۲/۱۸۷:

احل لکم لیلۃ الصیام الرفث الی نسائکم ھن لباس لکم و انتم لباس لھن۔ علم اللہ انکم کنتم تختانون انفسکم فتاب علیکم و عفا عنکم فالئن باشروھن و ابتغو ما کتب اللہ لکم۔

ملاحظہ کیجئے مروجہ یہودی ترجمہ جس سے ''آہ بیچاروں کے اعصاب پہ عورت ہے سوار'' کا مکمل اثبات ہوتا ہے اور معانی کی گہرائی اور مقاصد کی بلندی کا خون ہوتا نظر آتا ہے:-

'' اللہ نے تمہارے لئے روزوں کی راتوں میں عورتوں سے مباشرت کو جائز قرار دیا ہے۔

عورتیں تمہارے لئے لباس ہیں اور تم ان کیلئے لباس ہو۔

کیونکہ لوگوں کا خیال تھا کہ ان کو روزوں کی راتوں میں مباشرت کی اجازت نہیں تھی اس لئے وہ راتوں کو مباشرت کر کے سمجھتے تھے کہ خیانت کر رہے ہیں۔ اس لئے اب ان کو اجازت دی گئی اور کہا گیا کہ عورتوں سے مباشرت کرو اور جو اللہ نے تمہارے لئے مستقبل میں اس مباشرت کے نتیجے میں (بچہ) لکھا ہے وہ ڈھونڈو'' ۔ وغیرہ۔

اب تقابل فرمایئے'' قرینے، قاعدے اور ضابطے'' کے مطابق کیا گیا ترجمہ جو آپ کو '' مباشرت'' کی 'شہوانی' تکرار سے دور ہٹا کر بلند مقاصد و اقدار کی طرف لے جاتا ہے اور اسی لئے آپ حضرات کیلئے ناپسندیدہ اور ناقابل غور ٹھہرتا ہے :-

''ظلم کے سدباب کے غیاب کے تاریک دور میں (لیلۃ الصیام) جائز کر دیا گیا تھا تمہارے لئے تمہارے کمزور طبقات (نساءکم) کے ساتھ بدگوئی و بدکلامی (الرفث) کو جبکہ وہ تمہارے معاشرہ کیلئے لباس کی طرح لازم و ملزوم ہیں۔ خدا کو علم تھا کہ تم اپنے ہی لوگوں کیساتھ خیانت (استحصال کے معنی میں) کا ارتکاب کر رہے تھے۔ پس وہ تمہاری طرف رجوع ہوا۔تم کو عافیت میں لیا ۔ درگزر کیا۔ اب تمہارا فرض ہے کہ انہیں خوشخبری دو۔ ان سے قریبی تعلق رکھو اور استحصال (خیانت) سے باز آ کر صرف اسی حق کی توقع رکھو جو تمہارے لئے اللہ نے جائز ٹھہرایا ہے''۔

ذرا کوشش فرمائیں کہ اس ترجمہ کو ''لغت اور تلمیحاتی اسالیب'' کی روشنی میں غلط ثابت کیا جا سکے۔ رفث کا ترجمہ مباشرت ثابت کرنے کی سعیء لاحاصل فرمائیں یا نساء کو اس مخصوص جگہ عورت ثابت کرنے کی کوشش فرمائیں !!!

واضح ہو کہ نساء کا لفظ سیدنا موسٰی اور فرعون کی داستان میں اکثر استعمال ہوا ہے جہاں بارہا مقامات پر بنایا گیا کہ فرعون ابناء قوم کو مروا دیتا تھا اور نساء کو زندہ چھوڑ دیتا تھا۔ ان آیات میں ہر مرتبہ نساء کا لفظ کمزور اور بزدل طبقات ہی کیلئے استعمال ہوا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:-

البقرۃ : ۹۴ ۔

.یذبحون ابنائکم و یستحیون نسائکم وفی ذلکم بلاء من ربکم عظیم

''ذبح کرتے تھے تمہارے بہادروں کو اور زندہ چھوڑتے تھے تمہارے کمزوروں کو''

اعراف: ۱۲۷ ۔

ستقتل ابنائھم و نستحیی نسائھم

'' ہم قتل کر دینگے ان کے طاقتور اور زندہ چھوڑ دینگے انکے کمزور''

المومن: ۲۵ ۔

اقتلوا ابناء اللذین آمنوا معه و استحیو نسائھم

''مار ڈالو ان مردان میدان کو جو اس کے ساتھ ایمان لائے ہیں اور زندہ رکھو انکے کمزور طبقات کو''

یہاں جناب کوشش فرمائینگے کہ پھر تاویل کا سہارا لیکر ابناء کو نومولود بچے قرار دیں اور نساء کو عورتیں۔ لیکن کیا کوئی معقول انسان انکار کر سکیگا کہ مندرجہ بالا آیات میں ترکیب یا اسلوب '' تقابل ضدین'' کا اختیار کیا گیا ہے۔ اب اگر یہاں نساء کا مطلب عورتیں لیا جائے تو پھر تقابل میں مرد یعنی 'رجال' آنا چاہیئے تھا۔ اور اگر ابناء سے مراد بیٹے لیا جائے تو نساء کی بجائے بنات یعنی بیٹیاں آنا چاہیئے تھا۔ تو جناب ترکیب آیات، اسلوب اور تقابل ضدین کا اصول صحیح ثابت ہی تب ہوتا ہے جب نساء کا مطلب وہی جناب کا ناپسندیدہ لفظ '' کمزور طبقات'' لیا جائے۔ ہماری مجبوری ہے۔ قرآن ایک کامل (Perfect) کتاب ہے اور ہم قرآن کے ضمن میں کاملیت پسند ہی واقع ہونے پر مجبور ہیں۔ اس لئے یہاں ابنائے قوم بمعنی بہادر جواں مرد اور نساء بمعنی کمزور ہی کے آتا ہے اور تمام اصول و قواعد پر پورا اترتا ہے۔ زور لگایئے کہ شاید آپ کا موقف درج بالا دلائل کے باوجود بھی کسی معقولیت کی بناء پر صحیح ثابت ہو سکے۔ نہیں ہوسکیگا۔

جناب نے ۵۲ بار اس لفظ کے استعمال کی گنتی تو گن لی مگر نہ ان میں سے مندرجہ بالا مقامات

پر غور فرمایا اور نہ ہی ''عورت'' کے تصور پیہم اور '' مباشرت'' کے لفظ کی مجربہ لطف انگیزی سے پیچھا چھڑا پائے۔ یقیناً ایسا ہو بھی نہ سکیگا کیونکہ جو امت یہودی شرانگیزیوں کے تحت پوری پوری زندگیاں ہی جنت میں ان گنت و بے شمار عورتوں کے حصول کے انتظار میں اور ان سے متواتر مباشرت کے نشہ انگیز تصور میں گزار رہی ہو، وہ بھلا عورت اور مباشرت کو ہر مقام پر چشم تصور کے سامنے کیوں نہ رکھے گی۔ یہی تو انجینئر صاحب دراصل آپ کا 'اصل چیستان' ہے!!!

۵۔ مرض

فرماتے ہیں مرض کمزوری نہیں کمزوری کا ایک سبب ہوسکتا ہے ۔ اور یہ کہ بذات خود مرض کیوں کر کمزوری ہوسکتا ہے۔ جناب کی توجہ مبذول کرائی جاتی ہے ارشاد باری تعالٰی کی طرف جہاں دماغی کمزوری و کجی کو ۲/۱۰ فی قلوبہم مرض فزادھم اللہ مرضا۔۔ کہ کر واضح کیا گیا ہے۔ یہ تو سب جانتے ہیں کہ قلب اور فواد کا مطلب قرآن کی رو سے دماغ ہوتا ہے۔ نیز دیکھیں : منافقوں کا مرض (۸/۴۹)، ظالمین کے دل کا مرض (۵/۵۲)، ان کے دل کا مرض جنکی گندگی بڑھتی جاتی ہے (۹/۱۲۵) ، شیطانی فتنہ رکھنے والوں کا قلبی مرض (۲۲/۵۳)، وغیرہ وغیرہ۔ مزید گوہر افشانی فرماتے ہیں کہ ''مرض کسی طاقت یا قوت کا نام ہے''۔ ذرا تکلیف فرما کر چیک کریں کہ مولائے کریم نے اسے طاقت یا قوت قرار دیا ہے یا اس کے برعکس؟ ذرا مندرجہ بالا آیات میں مرض کی جگہ طاقت یا قوت درج فرما کر پڑھنے کی زحمت فرمائیں۔ خود اپنا سر پیٹ لیں گے جناب!!! پس یہاں سے جناب کا سارا استدلال جو مبنی بر لفاظی ہے، باطل ہو جاتا ہے اور غبارے سے تمام ہوا بیک جنبش قلم خارج قرار پاتی ہے۔ فالتو اور غیر ضروری گفتگو سے پرہیز ہمارا اصول ہے۔ البتہ اپنے یہودی اسلاف کی مخلصانہ جانشینی میں جناب کی قرآن دشمنی اور خدا دشمنی کتنی واضح ہے، ثابت کر دیا گیا ہے۔

انجینئر صاحب ''منکرین عبادات'' کا لیبل لگانے سے قبل کسی بھی مستند قاموس میں لفظ عبادۃ اور اس کے مادہ ع ب د کا معنی تو دیکھ لیتے۔ جناب کو اپنا عربی کا ''علم'' ا ب ج د کی سطح سے بھی گرا ہوا ثابت ہو جاتا اور ''لسانی الحاد اور لغوی فساد'' کے اصل مرتکب کا فی

الفور تعین بھی خود اپنے تئیں ہو جاتا۔ استہزا اور تمسخر کے جس اسلوب کا استعمال جناب نے کرنے کی کوشش فرمائی ہے، وہ صرف ایک خود ساختہ دانشور کا درجہ مزید پست کرنے کے سوا کبھی کسی اور تعمیری مقصد کی تکمیل کرتا نظر نہیں آیا۔ دراصل اس اسلوب کے پس منظر میں ایک وسیع اور عمیق علمی تناظر نہایت ضروری ہوتا ہے جسکا جناب کے ہاں فقدان ثابت ہوتا ہے۔

عرض گزار ہوں کہ قرآن کے دفن شدہ حقیقی معانی وتعبیرات کے کھوج میں غرق ملت کے جدید دیدہ وروں کو روایتی اعتراضات کی بھرمار سے بدحواس کرنے کی سعیء لاحاصل بند فرمادیں۔ اگر یہودی نژاد جعلی علمائے ملت نے امت مسلمہ میں ۲۵۰ سال تک ایک مربوط، ہمہ جہت اور وسیع الاطراف انقلاب معکوس برپا کئے رکھا اور ہماری کل متاع حیات ہم سے چھین کر آپ کو اپنے جعلی فلسفے کا متشدد متبع بنا بھی لیا تھا تو کیا!! وہ مینارہء نور، وہ قرآن عظیم تو اب بھی ہمیں اصل حالت میں دستیاب ہے۔ ہم کیوں نہ احکامات الٰہیہ کی حقیقی اور منزہ شکل دریافت کرنے کی کوشش کریں اور اس گنج گراں مایہ سے اپنی تقدیروں کو مالا مال کر کے بین الاقوامی زاویہء نگاہ سے اپنی عزت نفس اور قومی وقار وعظمت بحال کرنے کی کوشش کریں۔ یہودی روایات کی عطا کردہ نماز اور دیگر نام نہاد ''عبادات'' نے آپ کی قوم کو سوائے چار وانگ عالم میں ذلیل و پست اور مغلوب کرنے کے اور کیا عطا کیا ہے کہ ہر روایتی مولوی سینہ تان تان کران کے حق میں آمادہ بر فساد نظر آتا ہے؟ اور تمامتر زمینی حقائق اس کی کوتاہ نگہی کا شکار ہو کر رہ جاتے ہیں!

شیر مردوں سے ہوا بیشہء تحقیق تہی رہ گئے صوفی و ملا کے غلام اے ساقی

اللہ آپ پر اپنی رحمتوں کے دروازے کھولے اور آپ کو محبت، یگانگت، رفاقت اور کشادہ دلی جیسی صفات عالیہ سے متصف فرمائے۔

لسانی الحاد اور لغوی فساد

ماہنامہ بلاغ القرآن -- اگست ۲۰۰۹

لسانی الحاد اور لغوی فساد

رسالہ بلاغ القرآن، شمارہ نومبر ۲۰۰۹

جوابی توضیحات

از طرف اورنگزیب یوسفزئی

بیان میں نکتہء توحید آ تو سکتا ہے تیرے دماغ میں بت خانہ ہو تو کیا کہیئے

صاحب مضمون پھر ایک عدد مکتوب کیساتھ رونمائی فرماتے ہیں۔ اور راقم کی طرف سے ما قبل پیش کردہ مختصر، راست و دو ٹوک قرآنی دلائل کے بعد، پانچ (۵) زیر بحث عناوین میں سے چار(۴) پر سکوت اختیار فرماتے ہوئے، اب صرف لفظ [ماء] کے مفہوم پر بحوالہ سورۃ انفال:۱۱ (نیز سورۃ النساء : ۴۳) مزید طبع آزمائی کا بیڑہ اٹھاتے ہیں۔ اور لن ترانی اور تمہید طولانی کا بے محابہ استعمال کرتے ہوئے فضول یاوہ گوئی کا ایک اور طوفان برپا کردیتے ہیں۔علم الکلام پر جناب کی ''مشق سخن اور مہارت تامہ'' کا اعتراف نہ کرنا زیادتی ہوگی، کیونکہ جس بھی صاحب علم دوست یا بزرگ کو جناب کا مکتوب مطالعہ اور رائے کیلئے پیش کیا گیا ، ایک یا دو پیراگراف پڑھنے کے بعد ہی مزید مطالعے کی تاب نہ لاتے ہوئے ، انتہائے خوف کے عالم میں ، ترنت واپس اس عاجز کے حوالے کر دیا گیا۔ اس صورت حال میں ادارہ بلاغ القرآن کی ''حوصلہ مندی'' اور ''علم دوستی'' کی بھی تعریف کرنا واجب ہوتا ہے کہ اس قماش کی تضیع اوقات بھی فرقہ پرورانہ لواحق و لوازم اور مربیانہ جوش و جذبہ کی فراوانی کیساتھ شائع فرمانے کا کشٹ اٹھاتے ہیں۔ اور قیمتی صفحات کی قربانی برداشت کرتے ہیں۔ الغرض ، مکتوب کیا ہے؟ ''فصیح البیانی'' کے سراب میں ،حجت سرائی کے ہاتھوں، علم،عقل،شعور اور دانشوری کی توہین کا ایک نادر مرقع ہے۔

یہاں جناب محترم کا قیام و اصرار و استمرار اپنے سابقہ موقف، یعنی ماء کے لفظی

معانی ہی کے حق میں ہے جبکہ اس عاجز کی جانب سے استدلال ، لفظی نہیں ، بلکہ [ماء من السماء] کے '' اصطلاحی و مجازی '' معنی کے حق میں تھا۔

یہ احقر اصل موضوع پر استدلال کا جواب رقم کرنے سے قبل مکتوب میں درج شدہ چند ضمنی نکات پر کچھ سطور مختصرا گوش گزار قارئین کرنے کی اجازت چاہیگا۔ اولا، فاضل مکتوب نگار نے استاد محترم ، ڈ اکٹر قمر زمان کیلئے جن نیک جذبات کا اظہار فرمایا اور جس انداز میں اپنا سابق اسلوب تحریر اچانک لیبل بازی اور تہمت تراشی کی سطح سے بلند فرما کر معتدل مزاجی کے رنگ میں ڈھال لیا، وہ قابل تحسین ہے۔ مذکورہ تبدیلی اس درجہ میں مکمل اور قطعی نظر آتی ہے کہ سابقہ اور موجودہ مکتوب ایک ہی نوک قلم سے نکلے باور نہیں ہوتے۔ اس ضمن میں اس ناچیز کے دل کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی کشادہ دلی کے لئے دعا جو صاحب مکتوب کے حق میں اس احقر نے اپنے جوابی مضمون کی آخری سطر میں باری تعالیٰ کے حضور پیش کی تھی، قبولیت کا درجہ پاتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ اس ذات عظیم کا شکر ہے ۔

ثانیا، اس احقر کے جوابی مضمون کو '' کروڑوں ، اربوں انسانوں میں ایک شخص کی تنقید'' (بحوالہ آخری صفحہ ۳۲) قرار دینے سے صاحب مکتوب کے ذہن رسا میں مبالغے اور خوش گمانی کے جو سوتے پھوٹتے نظر آتے ہیں، ان کے بارے میں (anti-climax کے طور پر) عرض یہ ہے ، کہ ہم یہ کیوں فراموش کریں کہ ایک ذاتی نقطہ نظر جب شکائتی و ملامتی انداز سے، ایک فرقہ پرست اور انتہائی جانبدار جریدے کے صفحات مستعار لے کر، عوام الناس کے مطالعے اور تجزیہ کے لئے پیش کر ہی دیا جاتا ہے، تو پھر یہ ہمارے اختیار کا معاملہ نہیں رہ جاتا کہ جوابی تنقید کسی ایک شخص کی جانب سے آنا چاہیئے یا '' کروڑوں اربوں'' کی جانب سے !! اور کسی خاص الخاص شخصیت کی جانب سے آنا چاہیئے یا کسی عامی کی جانب سے!! یہ تو خالصتا پبلک کے حق اور پسند (choice) کا معاملہ ہے ۔ آپ یہاں اپنی منشاء کیسے چاہ سکتے ہیں؟ اور خوش فہمی کے برعکس ، یہ بھی تو عین ممکن ہے کہ جناب کے دلائل کو ''اس ایک شخص'' کے سوا کسی نے بھی در خور اعتنا ہی نہ سمجھا ہو!! اور ''اس ایک شخص' ' نے بھی فقط راست الزامات اور اتہامات کی بنا پر ہی جواب دہی کی زحمت بمشکل

گوارا کی ہو، وگرنہ جناب کی خامہ فرسائی یقیناً اس معیار کی نہ تھی کہ اس درفطنی پرمغزماری کی جاتی۔یہ توذاتی خیال آرائی ، یا زیادہ سے زیادہ ، صرف منطق مجہول کے زمرے میں شامل کی جاسکتی تھی، جبکہ توقع صرف اورصرف قرآنی استدلال کے ذریعے (یا medium) سے فرمودات الٰہیہ سے راہنمائی اور ہدایت حاصل کرنا تھی۔ یوں بھی معاصر عزیز بلاغ القرآن کروڑوں اربوں تو کجا، اغلبا ہزاروں کی تعداد میں بھی شائع نہیں ہوتا۔ اور چند سو لوگ بمشکل اسے پڑھ پاتے ہوں

گے ۔ نیز قرآنی موضوعات پر علمی وتنقیدی استدلال کرنا ویسے بھی صدیوں سے جبری گمراہی میں مبتلا کی گئی اس مظلوم قوم میں ایک ایسی ذہنی عیاشی کا درجہ رکھتی ہے، جو معدودے چند فارغ البال خوش نصیبوں ہی کو میسر ہے جو ’’ تصور جاناں کئے ہوئے‘‘ بیٹھے رہنے کے قابل ہوں۔ اورغم جاناں پرغم روزگار جبرا فوقیت نہ حاصل کر گیا ہو۔ اور پھر فاضل مضمون نگار جیسے’’ نابغوں‘‘ کے مقابل آنے کا یارا ہر ہما شا کو کہا ں حاصل ،جو ہر رطب و یابس کوعلم الکلام کی موشگافیوں کی گرفت میں لے آنے کی روایت کے حامل ہوں۔

ثالثا ، صاحب مضمون کا یہ بیان کہ اس ناچیز کی تحریر ان کے موجودہ مضمون کی تحریر سے صرف دو روز قبل انہیں ملی ہے، ناقابل یقین ہے۔ ناچیز کے پاس ثبوت موجود ہے کہ اس کی تحریر اگست ہی میں جناب کو براستہ واہ کینٹ ، راست ذاتی رابطے کے ذریعے پہنچا دی گئی تھی۔ اگست ہی میں ادارہ بلاغ القرآن کو بھی تحریر ارسال کر دی گئی تھی اور راقم کی ذمہ داری یہیں تک تھی، جو پوری کر دی گئی تھی۔ ادارے کے ہاں البتہ نظم و ضبط کا مکمل فقدان اورصحافیانہ دیانت کی پامالی عرصہ دراز سے اظہر من الشمس ہے، جس کا بار راقم پرنہیں ڈالا جا سکتا۔

رابعا، اردو زبان میں لکھے مضامین کوصحت و درستگی کے جائزے کیلئے بیروت یونیورسٹی کے عربی اساتذہ کو بھیجنے کی مضمون نگار کی تجویز بھی، ظاہر ہے کہ، دور از کار اور بعیدا ز عمل ہے ، اورمحض ’’تخیل کی بے تکی پرواز‘‘ کے زمرے میں آتی ہے۔ وہ لوگ جناب کے ذاتی خیال آرائیوں پرمبنی مضامین کیسے پڑھ پائیں گے جبکہ خود اردو دانی میں مہارت کے

حامل بھی اس قسم کے ابلاغی اخراج(catharsis) سے پناہ مانگ رہے ہوں! !! جناب کی یہ تجویز اس حقیقت کو بھی آشکار کرتی ہے کہ ہماری '' مذہبیت پرست'' اکثریت ، بحیثیت قوم، احساس کمتری کا شکار اور عزت نفس سے عاری ہے اور ہر چھوٹے بڑے معاملے میں غیروں پر انحصاراس کی قو می روش بن چکا ہے۔ عربوں پر دینی معاملات میں انحصار اور انہی کی اندھی تقلید ہی ہمارے زوال کا باعث رہی ہے، کیونکہ عربوں ہی نے شخصی آمریتیں ، صدر اول کے فورا بعد ہی، قائم کرنے کی بنا ڈالی اور ان کے جواز کیلئے یہودی علماء کی مدد سے قرآن کے مفہوم کو مسخ کرکے ، اولا اپنی ہی قوم کو تلوار کے زور پر اسکی حقیقی تعبیرات سے دور، یعنی کرپٹ (corrupt) کیا۔ پھر اسی کرپٹ معاشرے کی اندھی تقلید نے ہمیں بھی کرپٹ کیا۔ کیونکہ ہم یہ حقیقت ، تا ریخی شہادات کی موجودگی کے باوجود ، ماننے سے انکاری ہیں، اس لئے نہ درستگی احوال کی کوشش کرتے ہیں اور نہ ہی کسی دوسرے کی ایسی کوئی کوشش ہمارے لئے قابل قبول ہوتی ہے۔ تاریخ کی سمت یہ ایک اشارہ توصرف ضمنا کر دیا گیا، وگرنہ جہاں تک عربی زبان دانی کا تعلق ہے، فاضل مضمون نگار خود بھی عربی زبان و گرامر پر ''ید طولیٰ'' رکھنے کے دعویدار نظر آتے ہیں، کیونکہ علامہ رحمت اللہ طارق ملتانی کے رعونت بھرے مستند انداز میں قرآنی مسائل و امور پر ''قول فیصل'' جاری کرتے ہیں (بلاغ القرآن ، اگست ۲۰۰۹ء۔صفحہ ۳۲)۔

اب مضمون کے اصل متن کی طرف آتے ہیں۔ تو صفحہ(۲۸) پر اپنے استدلال کی ابتداء میں ہی صاحب مضمون نے ڈاکٹر قمر زمان کی تحریر پر کچھ اس طرح گرفت کرنے کی کوشش فرمائی ہے :-

'' معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کے یہاں قرآن کے ہوتے ہوئے [دوسری الہامی کتابوں] سے اعلیٰ اقدار کی تعلیم کے حصول کی گنجائش ہے۔ یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے قرآن سے پہلے الہامی کتابوں کے بارے میں کہا ہے۔۔۔۔اس وقت قرآن کے علاوہ تمام کتب محرف و آلودہ ء متن قرار پا چکی ہیں۔ بلکہ ان کے متن کی اصل زبان بھی باقی نہیں۔ اب تمام اعلیٰ اقدار کی مہیمن و محافظ صرف

ایک کتاب یعنی قرآن کریم ہے (المائدہ: ۴۸)''۔

اب آیئے دیکھتے ہیں کہ صاحب مضمون نے حوالہ درست دیا ہے یا اپنی ہی کتاب، قرآن حکیم ، کی بذات خود تحریف کا ارتکاب فرمایا ہے، اور اپنے تئیں اتھارٹی قرار دیتے ہوئے ایک غیر قرآنی فتویٰ صادر فرمایا ہے۔ ہماری ناچیز رائے میں تو یہ ایک گھناؤنا ارتکاب جرم ہے کیونکہ قرآنی ترجمہ کچھ اور ہی بیان کرتا نظر آتا ہے۔ محکم آیت مبارکہ ہے - کوئی بھی متبادل استنباط ہرگز نہیں کیا جا سکتا۔ ملاحظہ فرمایئے :-

(المائدة ۴۸):

و انزلنا الیک الکتاب بالحق مصدقا لما بین یدیه من الکتاب و مهیمنا علیه...

اور اب دیکھیے کہ درست ترجمہ کس طرح صاحب مضمون کے ترجمے کے برعکس ثابت ہوتا ہے :-

ہم نے تمہاری طرف ایک ایسی کتاب حقیقت کی حامل (بالحق)نازل کی جو تصدیق کر رہی ہے (مصدقا) ان کی جو کتابوں میں سے (من الکتاب) پہلے سے موجود ہیں (بین یدیہ) اور ان کی محافظ(مہیمن) بھی ہے۔

قارئین نے ملاحظہ فرمایا کہ صاحب مضمون کی ''قرآنی بصیرت'' کس طرح یہودی روایات کے تابع ہے، کہ قرآن جن کتابوں کی تصدیق، تائید اور محافظت کر رہا ہے، وہ اپنے یہودی اسلاف کی وفاداری میں انہیں محرف و آلودہء متن قرار دے رہے ہیں اور الٰہی سند کے برعکس ، فرمان خداوندی سے مکمل انحراف فرماتے ہوئے، ذاتی فتویٰ جاری کرتے ہیں کہ ''اب تمام اعلیٰ اقدار کی مہیمن و محافظ صرف ایک کتاب یعنی قرآن کریم ہے''۔ غور فرمایئے کہ آیا کہیں '' اقدار'' کا ذکر بھی آیا ہے یا صرف کتابوں کا ذکر ہے؟ پھر جرات رندانہ ملاحظہ ہو کہ آیت کا حوالہ اس امکان پر رقم فرماتے ہیں کہ شاید کوئی حوالہ کھول کر ہی نہیں دیکھے گا اور جناب کی ''علمیت'' کا پردہ فاش ہونے سے رہ جائیگا۔

یوں تو کسی ایک انحراف کی شکایت ہو تو کی جائے، یہاں تو سارا کا سارا قبلہ ہی بگڑا

ہوا پایا جاتا ہے۔ ''ہمارے مفتی صاحب'' کا کھوکھلا پن واضح کرنے کیلئے معزز قارئین کو چند آیات مبارکہ کی طرف توجہ دینے کی زحمت دونگا، جو محترم ڈاکٹر قمر زمان کا قرآنی موقف پر زوردار طریقے سے ثابت کرتی ہیں :-

۱۔ النساء: ۴۷

یا ایھا الذین اوتو الکتاب آمنو بما انزلنا مصدقا لما معکم...

اے اہل کتاب ایمان لاؤ اس پر جو ہم نے نازل کیا ہے (یعنی قرآن پر) کہ یہ اس سچائی کا اعلان کر رہا ہے جو تمہارے پاس پہلے سے موجود ہے۔

۲- المائدہ: ۴۶

و آتیناہ الانجیل فیہ ھدی و نور و مصدقا لما بین یدیہ من التوراۃ و ھدی و موعظۃ للمتقین...

اور ہم نے (مسیح) کو انجیل دی جس میں ہدایت اور نور ہے- یہ تورات کی تصدیق کرتی ہے اور متقین کیلئے ہدایت و موعظت ہے۔

۳- الانعام: ۹۱

قل من انزل الکتاب الذی جاء بہ موسی نورا و ھدی للناس...

کہو کہ موسیٰ کو وہ کتاب کس نے دی جو نور بھی ہے اور انسانوں کیلئے ہدایت بھی۔

۴- الانعام: ۹۲

ھذا کتاب انزلناہ مبارک مصدق الذی بین یدیہ...

یہ مبارک کتاب (قرآن) پہلے سے موجود کتابوں کی سچائی کا اعلان کر رہی ہے۔

۵- الانعام: ۱۵۴

ثم آتینا موسیٰ الکتاب تماما علی الذی احسن و تفصیلا لکل شیئی و ھدی و رحمۃ..

پھر ہم نے موسیٰ کو ایک ایسی کتاب دی جو بہترین تعلیمات پر پوری طرح حاوی

(تماما) ، ہر حقیقت کی تفصیل، ہدایت و رحمت تھی۔

غرضیکہ ارشادات ربانی کے مطابق کہیں بھی قرآن کے علاوہ تمام کتب کو (یا ، جدید تحقیق کے مطابق، زیادہ قطعیت سے کہ سکتے ہیں کہ ان کے الہامی متن کو) محرف و آلودہء متن قرار نہیں دیا گیا۔ یہاں پھر صاحب مضمون، حسب روایات سابقہ، کہیں نہ کہیں سے کچھ تاویلات تلاش کرنے کی کوشش فرمائینگے اور اپنی افتادطبع کے مطابق طوالت پسندی کے ہتھیار کا استعمال یا الفاظ کے پھندے ڈالنے کی کوشش فرمائیں گے۔ جناب کو پورا حق ہے۔ لیکن آیات محکمات کے مقابل آنا ممکن نہ ہوگا۔ زیادہ سے زیادہ آیت ۴/۴۶

(۔۔۔یحرفون الکلمۃ عن مواضعہ ۔۔۔) سے مدد حاصل کرنے کی کوشش کی جائیگی، جو بالآخر کار لاحاصل ہوگا کیونکہ یہ آیت رسالتمآب کے قرآنی ارشادات عالیہ کو بگاڑ کر بتانے کی یہودیوں کی عادت کو آشکار کر رہی ہے۔ آسمانی کتابوں کی تحریف کا وہاں ذکر بھی نہیں ہے۔

بات کو پھر طول دینے کے لئے یہاں پھر صاحب مضمون نے دو عدد آیات قرآنی ایسی پیش فرمائی ہیں (العنکبوت: ۴۸ اور الشوریٰ: ۵۲) جن کا سیاق و سباق سے کوئی تعلق نہیں ہے، کیونکہ بات تو الہامی کتب کی سچائی کی اور قرآن کے ذریعے ان کی تصدیق کی چل رہی ہے ، نہ کہ اس ضمن میں، کہ رسالتمآب نبوت سے قبل کچھ پڑھتے تھے ، یا قرآن اور ایمان کے بارے میں کچھ جانتے تھے یا نہیں !!! یعنی وہی وقت کا ضیاع کرنے کیلئے غیر متعلق مواد پیش کر کرکے معاملے کو بیزارکن حد تک طویل کر دینے کی جانی بوجھی کوشش!

اور اب خدا خدا کر کے ہم جناب کے مرکزی نکتے (صفحات ۳۲-۲۹) تک پہنچنے کے قابل ہوتے ہیں۔ آیات متعلقہ اور انکے تراجم پہلے ہی دیے جا چکے ہیں۔ ماء اور ماء من السماء کی اصطلاح جو دونوں خاص مقامات پر استعارتا استعمال ہوئی ہے، اس کا جواز اور ثبوت بھی پیش کیا جا چکا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ صاحب مضمون نے یہاں ماء کے لفظی معانی پر اصرار کرتے ہوئے اس مختصر سے مدعے کو کہاں تک پھیلا دیا ہے۔ ملاحظہ کیجئے کہ بات کہاں

سے کہاں لے جائی جا رہی ہے :-

۱- آیت کا محل وقوع، سیاق و سباق دیکھا جائے ۲- جنگ بدر کا پس منظر دیکھا جائے ۳- فتح کے اسباب و محرکات کی بات کی جائے ۴- نصرت الٰہی کا تذکرہ ۵- میدان جنگ میں نزول وحی کا مدعا ۶- وحی ''مطلقا لفظوںؒ کی تاثیر یا اعلیٰ اقدار کی تعلیم''؟ ۷- وحی تخیلاتی نوعیت کا کرشمہ یا '' روحانی عمل'' ؟ ۸- وحی رسالت معین و متعین الفاظ کی صورت میں یا کچھ اور؟ ۹- ماننا پڑیگا کہ وحی رسالت پر عمل کے نتیجے میں بطور روحانی یا خیالی نصرت ماء بمعنی وحی نازل نہیں ہوئی بلکہ محسوس اور قابل دید نصرت ہوئی تھی؟ ۱۰- صرف ماء کا لفظ وحی نہیں بلکہ ماء سمیت تمام کلمات وحی ہیں؟ ۱۱- '' اذ یغشیکم النعاس آمنۃ'' کا حوالہ ۱۲- لفظ '' اذ'' کے قرینے کی تعلیم دینے کی کوشش؟ ۱۳- '' ولقد'' کے قرینے اور استعمال کی تعلیم اور اس کیلئے چار عدد آیات کریمہ کا حوالہ ۱۴- لفظ وحی کے فعل کے صیغوں کی موجودگی میں ماء کے مجاز کی ضرورت ؟ ۱۵- واٹر سرکل؟؟ ۱۶- انسان کا عنصری اور غیر مرئی وجود ؟؟ ۱۷- طہارت، حوائج ضروریہ، پیاس کی تسکین وغیرہ، وغیرہ۔۔۔۔۔۔۔العیاذ باللہ!

یعنی'' کہہ رہا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی''

یہاں صرف بسیار نویسی کے خبط میں معقولیت کی حدود سے ماوراء گزر جانے کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ یا یہ اصل مدعے کو بے معنی لفاظی کی '' طاقت'' سے اتنا زیادہ پھیلا دینا ہے کہ اس کا اصل مرکزی نکتہ ہی نظروں سے غائب ہو جائے۔ روایاتی اثرات کا غلبہ نمایاں ہے، کیونکہ استخراجی انداز فکر ہر ہر لفظ سے ٹپک رہا ہے۔

اسی ضمن میں موصوف صفحہ ۳۲ پر موضوع کو مزید الجھانے کی صریح کوشش میں محترم ڈاکٹر صاحب سے ''حقیقت الہٰ'' یا ''الہٰ کی مطلقا حقیقت'' جاننے اور واضح کرنے کا مطالبہ فرماتے ہیں !!! معذرت کیساتھ، اس لفظی ہیرا پھیری یعنی فیصلوں سے فرار کا انداز ملاحظہ فرمائیں :- '' ۔۔۔کیا ہی اچھا ہوتا کہ آپ پہلے [حقیقت وحی] بلکہ اس سے بھی پہلے اس کے مآخذ [حقیقت الہٰ] پر اپنا نقطہ نظر واضح کر دیتے جس کے تحت باقی

موضوعات کو بہتر سمجھنے میں مدد ملتی اس لئے کہ جو وحی یا الٰہ کی مطلقا حقیقت کو سرے سے ہی نہیں جانتا یا نہیں مانتا ان کیلئے یہ مباحث کس حد تک مؤثر ہو سکتے ہیں !! '' یہاں موصوف کی جھوٹ کی اس کھلی دکان کا زور یقیناً اس دعویٰ پر ہے کہ ''میں تو حقیقت الٰہ کا مکمل علم رکھتا ہوں ، کیونکہ [اللہ اکبر] کے مدعے پر ۱۰۰ صفحات متخالف و متضاد اناپ شناپ میں ضائع کر چکا ہوں ، آپ یقیناً اس مدعے پر کچھ بھی علم نہیں رکھتے، اور نہ ہی میرے مانند فضولیات کا سیلاب بہا سکیں گے۔ اور پھر جیت میری ہی ہوگی ، وغیرہ، وغیرہ '' !!! خدمت اقدس میں عرض ہے کہ ڈاکٹر صاحب اور ان کی جماعت اس قماش کی فضولیات میں کبھی شریک ہونے کا ارادہ نہیں رکھتی۔ البتہ کلام الٰہی سے مختصرا بات کا مدلل جواب دے دیتی ہے۔ یہاں بھی کلام الٰہی کا راست فیصلہ موصوف کے سامنے اس آیت مبارکہ کی شکل میں پیش کیا جاتا ہے :- (۶/۱۰۳ - لا تدرکہ الابصار ، وھو یدرک الابصار)، جس کی رو سے کوئی بھی مخلوق الٰہ کی کنہ و حقیقت کو نہ پا سکتی ہے ، نہ ہی اس حقیقت کو علیٰ وجہ البصیرت سمجھ سکتی ہے۔ قارئیں آسانی سے سمجھ سکتے ہیں کہ یہ کس قدر بودا اور بے معنی استدلال تھا !!

الغرض، موصوف کی خدمت میں قرآن کی زبان میں مختصرا صرف یہ واضح کیا گیا تھا کہ مولائے کریم نے یہاں ماء من السماء، یعنی آسمانی پانی کا کیا مجازی یا استعاراتی معانی استعمال فرمایا ہے۔ اس لئے کہ عام پانی نہ تو انسان کے ارادوں کو ثبات عطا کر سکتا ہے؟ نہ ہی شیطانی اعمال کی گندگی، یعنی منفی کردار سے بچا سکتا ہے؟ نہ ہی دلوں کو مربوط کرنے کا عمل کر سکتا ہے؟ جناب کوئی بھی راست اور دوٹوک قرآنی استدلال نہ کر پائے۔ بلکہ '' خوئے بد را بہانہء بسیار'' کے مصداق لا یعنی لن ترانیوں کے دریا بہا دیئے۔ اب تک یہی افلاطونی منطق، یعنی علم الکلام سے شوق فرمائی ہی جناب کا مخصوص طرز تحریر ثابت ہوا ہے۔

البتہ یہ احقر خدمت اقدس میں صرف مندرج ذیل مزید مختصر نکات ہی پیش کر سکتا ہے:

۱- واضح ہو کہ عام پانی آسمان سے نہیں آتا بلکہ قرآن میں بیان کردہ واٹر سائیکل کے مطابق سمندروں سے بخارات کی شکل میں اٹھتا اور بادلوں سے گرتا ہے۔

۲- کہ آسمانوں سے منہ، ہاتھ اور پیر دھونے اور ناپاکی دور کرنے کی بچگانہ کلاسوں کی

تعلیم نہیں اترتی؟ یہ تعلیم تو والدین ہر بچے کو عمر کے ابتدائی حصے میں ہی سکھا دیتے ہیں۔ آسمانوں سے حوصلے بلند اور دلوں کو تقویت دینے والے بلند و بالانظریات، اصول و اقدار نازل ہوتے ہیں۔

۳- آسمانوں سے وہ تعلیم آتی ہے جس سے ذہنوں کی تطہیر ہوتی ہے اور شیطانی نظریات دور ہوتے ہیں۔

۴- آسمانوں سے وہ وحی نازل ہوتی ہے جو قوموں اور قبیلوں کو سعی و جدوجہد کی بھٹیوں سے گزار کر کندن بنا دیتی ہے۔ پھر ان کا ہر منشا، منشائے خداوندی اور سکہ رائج الوقت بن جاتا ہے۔

۵- آسمانوں سے حکومت الٰہیہ کا منشور اترتا ہے۔ فلاحی مملکت کو قائم کرنے اور اسے govern کرنے کے قوانین اترتے ہیں۔ نماز کے نام پر اٹھک بیٹھک کے مضحکہ انگیز طریقے اور نجاست و جنابت کے گھٹیا مسائل نہیں اترتے۔

۶- آسمانوں سے ماء بشکل قوموں کی حیات آفرینی کی اقدار و اصول نازل ہوتا ہے۔ اور اس کے ذریعے عظیم آدرشوں کے حصول کا ادراک دیا جاتا ہے۔بیت الخلاء (جسے الغائط کے مرادف لیا گیا ہے)کے استعمال اور جسمانی عوارض و امراض اور پاکی و ناپاکی میں استعمال ہونے والا پانی تو ہر دریا، ندی، چشمے اور کنویں میں بافراط میسر ہوتا ہے۔ بھلا ایسی اذل ہی سے معروف و مستعمل چیز کا قوموں کیلئے نازل شدہ منشور میں ذکر کیوں کیا جائیگا

قرآنی تعلیمات کی بلندی و مقاصد کی گہرائی کو لفظی تراجم کے غیر مسلمہ اسلوب کے ذریعے بگاڑ کر انتہائی معمولی و پست نوعیت کی طفلانہ ہدایات کی شکل دینا معاصر یہودی مقتدرہ کے لائے انقلاب معکوس کا مقصود و منشاء تھا۔ بنو امیہ کے سفاک ڈکٹیٹر اپنے جابرانہ اقتدار کے دوام کے لئے ایسی ہی جوہری تبدیلی چاہتے تھے اور اسی لئے ان یہودی علماء کے سرپرستوں کا کردار ادا کرتے رہے۔یہیں سے تنزل و انحطاط کے دور کی ابتداء ہوئی اور مآل کار آج دنیائے اسلام کافر کی غلامی کا شکار ہے۔ اور اس غلامی در غلامی سے نجات کی کوئی صورت سامنے نظر نہیں آتی۔ سوچ کا یہی پیرایہء تمام عالم اسلام پر حاوی ہے۔ موجودہ دور

کے عظیم ترین مفکر قرآن علامہ اقبال کا فیصلہ بھی گوش گزار کر دیا جاتا ہے، جنہوں نے فرمایا :-

منزل و مقصود قرآں دیگر است رسم و آئین مسلمان دیگر است

اقبال کے مطابق بھی " حقیقت خرافات میں کھو" چکی ہے۔ صاحب مضمون اسی خرافات کو بڑھاوا دینے کے فرض کی نہایت خلوص نیت کے ساتھ انجام دہی میں مصروف ہیں۔ حقیقت کی طرف واپسی کا سفر کیونکہ ایک مہیب سیلاب بلاء سے ٹکرانے کے مترادف ہے اس لئے جناب پہلوتہی فرما رہے ہیں۔ شاید اس بہتی غلیظ گنگا میں ہاتھ دھونے کا موقع میسر بھی ہے اور خوش آگیں بھی معلوم ہوتا ہے اور متاع دنیا کی یہ چاہ، آخرت کے عظیم اجر سے غافل کر رہی ہے۔ ہمارا فرض صرف آگاہی دینا ہے۔ وہ بھی مختصر اور دوٹوک الفاظ میں۔ فیصلے کا مکمل اختیار و حق جناب کو حاصل ہے۔ قرآن کے جس مفہوم کی جناب وکالت فرماتے ہیں اسکے بارے میں اقبال نے جو فیصلہ دیا پیش کر دیا گیا۔ مزید توثیق درج ذیل کا اقتباس کر دیگا: -

"قرآن حکیم کے مطالب و مقاصد میں اگرچہ بے حد معنوی تحریف ہو چکی ہے، اسکا اصلی اور نبوی منشا جہلا اور علماء کی متفقہ تاویل کے باعث اکثر خبط ہوگیا ہے، اسکے معانی پر بے حد شرعی اور فقہی غلاف پڑ چکے ہیں، اس کے کسی ایک امر مہم کا الٰہی مفہوم صحیح طور پر مسلماناں عالم کے ذہنوں میں باقی نہیں رہا، اس کے اوامر و نواہی پر اعتقاد آج صرف اقوال اور افواہ تک محدود رہ گیا ہے، اس کو لوگ جو کچھ مان رہے ہیں، مونہوں، لفظوں، پھونکوں اور استخاروں سے مان رہے ہیں، لیکن اس کے الفاظ بعینیہہ اور باصلہ موجود ہیں۔ انسان کا بڑے سے بڑا فریب بھی اب ان کو بدل نہیں سکتا" علامہ المشرقی: تذکرۃ جلد اول، صفحہ ۳۴-۳۳۔

اور یہی مستند الفاظ قرآنی ہیں جنکے درست معانی افکار و خیالات و احساسات کی ایک نئی دنیا انسان کے سامنے کھول دیتے ہیں اور وہ نماز کے ڈھکوسلے کے ذریعے رائج شدہ گناہ-معافی-پھر گناہ- اور پھر معافی کے پست شیطانی چرخے (vicious circle) کی

گرفت سے آزاد ہو کر حقیقی صداقتوں کی فکر انگیز روشنیوں کی طرف گامزن ہو جاتا ہے۔
خیال رہے اقبال نے یہ بھی تاکید فرمائی تھی : -

تقلید کی روش سے تو بہتر ہے خودکشی رستہ بھی ڈھونڈ، خضر کا سودا بھی چھوڑ دے

فاضل مضمون نگار کی شخصیت کی عکاس چند سطریں یہاں درج کر دینا زیادتی نہ ہوگا، اس لئے کہ موصوف ہمارے جوابی لب و لہجے سے یقیناً شاکی ہوں گے اور اس کا پر زور رد بھی کرنے کی کوشش فرمائیں گے۔ انہیں پورا حق بھی ہے۔ لیکن اس سے قبل خود شناسی بھی ضروری ہے۔ موصوف کا اقتباس پیش خدمت ہے ، بلاغ القرآن اکتوبر ۲۰۰۸، صفحہ ۴، تحت عنوان ''جواب تنقید بر کلمہء تکبیر'' :-

''مضمون نگار نے علامہ طارق صاحب کے مقالہ کے ایک ایک فقرے بلکہ ایک ایک لفظ کو ہدف تنقید بنایا ہے اور اپنی فنی خامیوں پر توجہ کئے بغیر اعتراض برائے اعتراض کی بے ہنگم روش اختیار کر کے ایک مؤحد اور راسخ الفکر انسان کی نیت پر شدید حملے کئے ہیں یہ بات ایک پڑھے لکھے شخص کو زیب ہی نہیں دیتی خصوصا قرآنی فکر سے وابستہ احباب کا تو یہ و طیرہ نہیں ہونا چاہئے کہ زبان و قلم کی آوارگی سے کسی بھی علم دوست کی اہانت کی جائے جب کہ قرآن قولوا للناس حسنا (۲/۸۳) میں ہر خاص و عام سے حسن تکلم کی ترغیب و تعلیم دیتا ہے چہ جائیکہ ایک ریسرچ سکالر (اور وہ بھی راست فکر) کے حضور اس قدر سخت کلمات کا بے دریغ استعمال کیا جائے''۔

یہ موصوف کا ذاتی، تحریری اعتراف و اقرار (conviction) ہے ۔ مولائے کریم نے ''لم تقولون ما لا تفعلون ۔کبر مقتا عند اللہ ان تقولو ما لا تفعلون (۶۱/۲)'' کی تنبیہ شاید ایسے ہی حضرات کے لئے فرمائی تھی جو ناصح کا روپ دھار کر تو درج بالا گوہر افشانیاں فرمائیں اور بذات خود درج ذیل لیبل بازی سے ساتھی انسانوں کی تذلیل و توہین کے مرتکب ہوتے رہیں ، ملاحظہ فرمایئے، لیبل بازی کے نادر نمونے :-

''لسانی الحاد ۔ یعنی اپنے قرآنی تحقیق کرنے والے ساتھیوں کو ملحد کی گالی دینا
لغوی فساد ۔ یعنی اپنے سوا ، دیگر محققین کو فساد کا مرتکب قرار دینا

منکرین عبادات ۔ یعنی پرستش کی بجائے عمل پر زور دینے والوں پر انکار دین کا فتوی لگانامزید اہانت آمیز الفاظ جو کثرت سے استعمال میں لائے گئے ہیں وہ یہ ہیں:

مخبوط طرز کی تاویلات ۔ خبط میں مبتلا ۔ اچھوتی تاویل ۔ اچھوتے اور نرالے موَقف ۔ لسانی ولفظی الحاد ۔ چیستانی الفاظ ۔

نامسعود ومشکور کاوشیں ۔ بے ہنگم روش ۔ زبان وقلم کی آوارگی ۔ وغیرہ

موصوف سے یہ سوال تو اب کیا جا سکتا ہے کہ "قرآنی فکر سے وابستہ احباب کا وطیرہ" کیا یہی ہونا چاہیئے کہ اپنے مکتوب کی ابتداء یعنی عنوان کا چناؤ ہی راست دشنام طرازی کے ساتھ کیا جائے؟؟؟ اور "زبان وقلم کی آوارگی" کا اس قسم کا مظاہرہ کیا جائے؟ یقیناً ایسے گھناؤنے فعل کے ارتکاب کے پیچھے ایک پراگندگی کا مختل کیا ہوا ذہن کارفرما ہے!! کیا قرآن شناسی کے دوران یہ احکام الٰہی موصوف کی نظروں سے بالکل نہیں گزرے:- **قولولهم قولا معروفا (۴/۵)، اجتنبو قول الزور(۲۲/۳۰)، هم عن اللغو معرضون (۲۳/۳)، و لا تنابزو بالالقاب (۴۹/۱۱)، و لا تلمزو انفسكم (۴۹/۱۱)**

...... یا پھر ان تمام احکامات کے "منکر" ہیں۔

معاف فرمایئے، یہ جناب کا مستعمل لفظ صرف اس لئے سامنے لایا گیا کہ اس سے پیدا شدہ منفی شدت احساس کا ادراک کرسکیں ۔۔۔۔ **استغفرالله**۔

اللہ آپ کو مقصد کی تعیین کا شعور اور اختصار پسندی کا وصف عطا فرمائے اور لفاظی کی لامتناہی و لایعنی بھول بھلیوں میں بھٹکتے رہنے سے محفوظ فرمائے۔نیز دماغی پراگندگی اور زعم برتری سے نجات دے۔ اور آخر میں ہم عاجزین اپنی کم مائگی اور ژولیدہ فکری کا پھر اس طرح اعتراف کریں گے :-

فقیہہ شہر قارون ہے لغت ہائے حجازی کا　　　قلندر جز دو حرف لا الہ کچھ بھی نہیں رکھتا

لسانی الحاد اور لغوی فساد

رسالہ بلاغ القرآن، شمارہ جنوری ۲۰۱۰

جوابی توضیحات

از طرف اورنگزیب یوسفزئی

تیرے ضمیر پر جب تک نہ ہو نزول کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحب کشاف

موضوع زیر بحث پر صاحب مکتوب تیسری مرتبہ اپنی کاوشوں کے ہمراہ صفحہ قرطاس پر نمودار ہوتے ہیں۔ اور مکتوب میں لفظ ماء کا معنی پانی یا آب ثابت کرنے کے ضمن میں لگ بھگ نو [۹] عدد آیات مبارکہ کے حوالے سے [الزمر:۱۲، الروم:48، النور:43 الفرقان: ۹/۸۴، ق:۹-۱۱ ، النور:۵۴، الفرقان: ۴۵، الانعام:۹۹، البقر?:۲۲] انتہاء نمایاں محنت شاقہ سے کام لیتے ہوئے، تقریباً چھ صفحات اس لفظی معنی کی وکالت میں رقم فرما دیتے ہیں۔

قارئین خوب جانتے ہیں کہ مباحثے کا اصل مدعا لفظی معنی کی وکالت ہرگز نہیں، بلکہ موضوع زیر بحث تو قرآن کریم میں کچھ مقامات پر اس لفظ کے اصطلاحی معنی کے جواز یا عدم جواز سے متعلق ہے۔ لفظی معنی پر نہ کوء اختلاف کیا جا سکتا تھا اور نہ ہی یہ مدعا زیر بحث تھا۔ اس لئے اس پر کاغذی گھوڑے دوڑانے کہ نہ ضرورت تھی نہ جواز۔ لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ یہ ایک عمومی روش ہے۔ جب آپ دلائل سے محروم ہوں تو مدعے کو کسی غیر متعلق سمت پھیلا دیا جاتا ہے۔۔۔۔۔۔۔ اتنا کچھ غیر متعلق اور سیاق و سباق سے ہٹ کر لکھنے کے باوجود بھی اغلبًا ابھی تک یہ سعء لاحاصل، ناتمام ہی ٹھہرتی ہے کیونکہ مکتوب کا اختتام "آئندہ بھی مزید لکھنے" کے وعدے سے مزین ہے - سوائے اس کے اور کیا کہ سکتے ہیں کہ۔۔۔۔۔۔ "اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔۔۔۔۔۔"۔

البتہ اس موقعے پر تازہ مکتوب کے اسلوب بیان میں لائی گئی خوشگوار تبدیلی کی تعریف نہ کرنا زیادتی ہوگی کیونکہ، اصل موضوع سے پہلوتہی کے علی الرغم، جو کہ موصوف کی اب تک عمومی روش رہی ھے، اس مرتبہ خالص معروضیت سے کام لیا گیا ہے - جو ایک قرآنی محقق کے شایان شان ھے۔ موجودہ اور سابقہ سب ملا کر، یہ تینوں مکاتیب ذہنی ارتقاء ؟ کے ایک درخشاں سفر کی شاندار مثال نظر آتے ہیں۔ یہ فی الحقیقت تین [۳] ارتقاء ادوار ھیں جو وقت کے سیل رواں کے ظالم تھپیڑے کھاتے، تیرگی سے اجالوں کی سمت گامزن ھیں۔ روز و شب کی اس گامزنی میں، جہاں اولیں مکتوب سراسر سوقیانہ الزام تراشی، لیبل اور فتوے بازی کے پر تشدد انداز سے لیس تھا، وہیں دوسرا مکتوب قدریکشادہ دلی کے مظاہرے کے ساتھ ، انانیت اور مبالغہ آراء کا آئینہ دار تھا۔ حالانکہ ایک قرآنی طالبعلم کے اوصاف حمیدہ میں شائستگی اور انکساری کے لاحقے ضروری قرار پاتے ھیں- جبکہ تیسرا، یعنی موجودہ مکتوب کچھ اس درجہ خوش اسلوبی، خوش اطواری اور خوش بیانی کا غماض ھے کہ ایں جانب سے "دخل در معقولات" کا سلسلہ ختم کر دینے کا متقاضی باور ھوتا ھے۔ صد آفرین۔

تدبر فی القرآن کے وسیع و عریض میدان میں ذاتی فکر و نظر کے اختیار اور اظہار کا حق ہر کس و ناکس کو حاصل ہے۔ اور اس آزادی میں دخل انداز ہونے کا نہ ایں جانب کو حق حاصل ھے اور نہ ہی اس مشق پر قیمتی وقت ضائع کرنے کی کوئی خواہش۔ لیکن نفس امارہ کی شر انگیزی کچھ احباب کو سکون و اطمینان سے اپنا کام نہیں کرنے دیتی اور تکبر کے منفی جذبات کی انگیخت کے ذریعے وہ اپنی خودنمائی اور دوسرے انسانوں کی تحقیر پر اتر آنے کا مذموم رویہ اختیار کر لیتے ہیں۔ یہی وہ صورت حال ھے جہاں ہم عاجزین کا قلم بحالت مجبوری حرکت پذیر ھوتا ھے - یعنی جب جرم بے گناہی کی سزا ملنے لگے اور معاملات ذاتیات اور دشنام طرازی کی سطح پر اتر آئیں۔ اور ریکارڈ درست کرنا ضروری قرار پائے۔ موجودہ مہذب اور معروضی انداز میں جتنا بھی اور جس عنوان کے تحت بھی لکھا جائیگا، اس پر "چشم ما روشن، دل ما شاد" کے مصداق کسی تعرض کی نہ گنجائش ھے، نہ ضرورت۔ البتہ موصوف نے عبارت میں جہاں اتنا ارتقائی سفر طے کیا ھے، وہاں توہین آمیز عنوان بھی تبدیل کرنے کا قدم اٹھا لیتے تو ان کی

اخلاقی جرآت کی مزید تعریف واجب ہو جاتی۔

اسی ضمن میں کچھ احباب کی طرف سے اس عاجز کی جوابی توضیحات نمبر۲ [بتاریخ نومبر ۹۰۰۲] کو نہایت سخت پیرایہ اظہار کے مترادف ٹھہرایا گیا تھا۔ ایسے تمام احباب کی خدمت میں عرض ھے کہ :

فقیہہ شہر کی تحقیر کیا مجال میری
مگر یہ بات کہ میں ڈھونڈتا ھوں دل کی کشاد

یہ عاجز دشنام طرازی اور فتوے بازی کے جواب میں اپنی طرف سے صرف ایک غیر سوقیانہ ' سرزنش ' کے انداز کو اصلاحی کوشش کے طور پر حق بجانب باور کرتا ہے - اور یہ حقیقت بھی عیاں ھے ہے کہ یہ سرزنش خاطر خواہ سمت میں نتیجہ خیز ثابت ھوء- جیسا کہ اوپر صاحب مکتوب کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے "ارتقاء ادوار کے سفر" کے استعارے میں واضح کیا گیا۔ اگر قرآنی استدلال کی مدد کیساتھ سرزنش نہ کی گء ہوتی تو اتنا بڑا ارتقاء تقلب ہرگز وقوع پذیر نہ ہوتا - اور فتاوی کا ایک سیلاب بلا اس وقت بھی اس قرآنی جماعت کا تعاقب کرتا ہوا پایا جاتا۔ بات بھی بن گء -اور اب یہ عاجز کم از کم یہ حسرت بھی نہیں رکھتا کہ:

افسوس بے شمار سخن ہائے گفتنی خوف فساد خلق سے ناگفتہ رہ گئے

صاحب مکتوب سے البتہ بسیار نویسی کے ضمن میں اس جاری مباحثے کے دوران یہ برادرانہ شکایت موجود رہیگی کہ :

ہوء لاکھہ دنیا ادھر کی ادھر ھے وہی آستان ھے وہی سنگ در ھے

کیونکہ موصوف نے از خود ہی ہمیں ماء [] کے لفظی معانی سے منکر قرار دے لیا ہے- خدا جانے اس جماعت نے کب اور کس تحریر کے ذریعے ماء [] کا معنی پانی یا آب ماننے سے انکار کیا ھے کہ جناب کو پورا زور قلم اس معنی کو ثابت کرنے کیلئےغیر ضروری طور پر صرف کرنا پڑا- یہاں تک کہ قرآن حکیم کو ایک "علم طبیعیات" کی بے مثال کتاب ہی قرار دے ڈالا؟ حالانکہ قرآن تاریخ، سائنس، فزکس وغیرہ کی درسی کتاب نہیں بلکہ سراسر عمرانیات [humanities] سے سروکار رکھتا ہے۔ ذات باری تعالی کی قدرت، صناعی اور اس کی

بے پایاں رحمتوں کے ضمن میں جا بجا کچھ حقائق کی جانب البتہ اشارات ضرور کئے گئے ہیں۔

محترم قارئین کو یاد رہے کہ مکتوب نگار کے اولین مکتوب [بلاغ القرآن - اگست ۲۰۰۹] کے جواب میں اس عاجز نے لفظ نساء [] کے ضمن میں احتجاج کیا تھا کہ اس جماعت نے کب اور کہاں ' نساء [] ' کا معنی 'صنف خواتین' ماننے سے انکار کیا ھے کہ موصوف نے ہمارے خلاف اسقدر فضولیات پر مشتمل کیء صفحات تحریر فرما دیئے ھیں؟ اس عاجز کا استدلال یہ تھا کہ یہ لفظ مولائے کریم نے اپنی کتاب عظیم میں استعارتاً بھی استعمال فرمایا ھے، جہاں اسکا مفہوم کمزور طبقات لیا جانا ہی سیاق و سباق اور اسلوب بیان کے مطابق ہے۔ بہت سی آیات قرآنی اس استدلال کے ثبوت میں بطور فوری حوالہ رقم بھی کر دی گء تھیں [مثلاً البقر؟ ۱۸۷ اور ۴۹، اعراف ۱۲۷، المومن ۲۵] - جس کے جواب میں "الخاموشی نیم رضا" کے مصداق سکوت اختیار کر لیا گیا تھا۔

یہی متماثل صورت حال لفظ ماء [] کے ضمن میں بھی موجود ھے۔ کیونکہ کچھ مقامات پر یہ لفظ اصطلاحاً اور استعارتاً بھی استعمال کیا گیا ہے اور غالباً "متشابہات" کے ذیل میں باور کیا جا سکتا ھے- جہاں مفہوم پس منظر کے حوالے سے پانی نہیں، وحی الہی تجویز ہوتا ھے۔ بحث کا مقصود و موضوع صرف اسی قدر تھا یعنی نہایت مختصر- افسوس کہ ہمارے ممدوح کو بات کی تہ تک نہ پہنچ پانے کے سبب اتنا زیادہ لکھنے کا ناحق اور بے سود کشٹ اٹھانا پڑا۔

غور فرمایئے کہ اسی استعاراتی اسلوب میں لفظ "اکل و شرب " بھی استعمال کیئے گئے ہیں جہاں ان کا لفظی معانی یعنی کھانا اور پینا نہیں لیا جا سکتا۔ مثال کے طور پر صرف دو [۲] آیات قرآنی پیش کر دی جاتی ھیں:

[۱] یاکلون فی بطونہم النار [۴/۱۰]

[۲] و اشربو فی قلوبہم العجل [۲/۹۳]

ظاہر ھے کہ نہ تو پیٹ میں آگ ' کھاء " جاتی ہے۔ اور نہ ہی دلوں میں گائے کو "پیا" جا سکتا ھے۔ اسی لئے ہمارا اصرار اس پر ھے کہ تمام مقامات پر قرآنی الفاظ کے معانی کو اندھا دھن لفظی معانی کے سادہ پیرایے میں نہیں لیا جا سکتا۔ یعنی تمام مقامات پر معنی کو ایک ہی

لاٹھی سے نہیں ہانکا جا سکتا۔ سیاق و سباق، استعارہ، محاور? العرب اور اسلوب بیان مد نظر رکھا جانا چاہیئے۔ سب سے بڑھ کر جس ہستی کا یہ کلام ھے اس کے بلند ترین رتبے و مقام کا لحاظ رکھتے ہوئے، معانی کی گہراء، بلندی اور وسعت نگاہ کو بھی مد نظر رکھنا چاہیئے۔ امید واثق ھے کہ بات آسانی سے سمجھ آ گئی ہوگی۔ اگر کچھ غلط کہا ہو تو نشاندہی کی جا سکتی ھے۔ یہ ناچیز اور یہ جماعت اصلاح کیلیئے ہمہ وقت آمادہ ھے لیکن استدلال خالص قرآنی بنیادوں پر ہونا چاہیئے۔ ذاتی خیال آرائی ہو نہ لفاظی اور نہ فلسفیانہ نکتہ آفرینی۔

اصطلاح اور استعارے [metaphor] کے اسلوب کی حامل لفظ ماء ? سے متعلق آیات یہاں رقم کرنا تو اب صرف تکرار کے ہی مترادف ہوگا اور مضمون کی ناپسندیدہ طوالت کا باعث [دیکھیے آیات: النساء ? / 43 ، المائد?/6 ، جہاں منہ، ہاتھ اور پیر دھونے کی طفلانہ ہدایات مستنبط نہیں کی جا سکتیں جو کہ ماء ? کا لفظی معنی اختیار کرنے سے لازم آ جاتا ھے] - البتہ اتمام حجت کیلیئے اقبال کی قرآنی فکر سے کام لیتے ہوئے ، آیت زیر بحث ہی کی تفسیر میں، ایک حتمی جواہر پارہ پیش خدمت ھے، ملاحظہ کیجئے:

وہی دیرینہ بیماری وہی نامحکمی دل کی
علاج اسکا وہی آب نشاط انگیز ہے ساقی

فرمایئے یہ کون سا ماء ? ھے - پانی یا وحی الہی ؟ جو ماء ? دلوں کی نامحکمی دور کر کے ثبات عطا کرے اور شیطانی افکار کی پیدا کردہ دیرینہ بیماریوں کا علاج کرے [انفال:۱۱] وہ عام پانی ہوتا ھے، یا "وحی الہی" یعنی "آب نشاط انگیز"؟ اقبال ہی کو جواب دیتے رہئیگا؟

صاحب مکتوب کے حق میں قبل ازیں جو دعا مقصود و موضوع کی تعیین کے شعور اور اختصار پسندی کے وصف کیلیئے مانگی گ ءتھی، وہ غالبًا ابھی مستجابی کا شرف حاصل نہیں کر پاء۔ خیر، "اس کے ہاں دیر ھے، اندھیر نہیں"۔ اس ذات عظیم کا احسان ھے کہ دیگر دعائیں پوری ہو کر نتیجہ خیز ہو چکی ہیں۔ ہمارے ممدوح کے ہاں بسیار نویسی ایک جنون، ایک عشق کا درجہ ضرور رکھتی ھے۔ لیکن یہ عشق اپنے قرآنی ساتھیوں کی عزت نفس پامال کرنے کا ذریعہ

نہیں بن جانا چاہیئے۔ اور مقصود و موضوع کی تعیین بھی قبل ازیں ضروری امر ھے۔ کیونکہ یہ سوچ اور تحریر کو انجانی تاریک وادیوں میں بھٹکنے سے بچاتی ھے۔ البتہ یہ عشق اگر " کہتے ھیں عشق جسکو خلل ھے دماغ کا" کی بجائے عشق حقیقی کا مقام حاصل کر لیتا، تو منزل و مقصود کا تعین کرتے ہوئے ایک ہی جست میں حقیقت منتظر تک، یعنی "تاویل الاحادیث" کی قدرت اور صلاحیت تک پہنچا دیتا، جیسا کہ اقبال کے اس شعر سے عیاں ھے:

عشق کی اک جست نے کردیا قصہ تمام
اس زمیں و آسماں کو بے کراں سمجھا تھا میں

اور آخر میں یہ عاجز پھر اپنی کوتاہیوں کا اعتراف، اکبر الہ آبادی کے الفاظ میں، کچھ اسطرح کرنا چاہیگا کہ:

فلسفیانہ بحث میں نیکی ہی نہیں فالتو عقل مجھ میں تھی ہی نہیں

اور اقبال کے افکار کے مطابق، کچھ اسطرح:

عقل ھے بے زمام ابھی عشق ھے بے مقام ابھی
نقش گر ازل تیرا نقش ھے ناتمام ابھی

اور کسی بھی دل آزاری کیلئے یہ عاجز معذرت خواہ بھی رہیگا کیونکہ، قرآن عظیم کی رو سے، اقبال محترم کی زبان میں:

برتر از گردوں مقام آدم است اصل تہذیب احترام آدم است

لسانی الحاد اور لغوی فساد

رسالہ بلاغ القرآن، شمارہ مارچ ۲۰۱۰

جوابی توضیحات

از طرف اورنگزیب یوسفزئی

پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر
مرد ناداں پر کلام نرم و نازک بے اثر

اس چوتھے طویل مکتوب میں مکتوب نگار نے ، لفظ ''ماء'' کے مدعے پر اپنی طول طویل موشگافیوں کے رد کیے جانے پر ، یکدم موضوع تبدیل کیا اور اس مرتبہ لفظ ''نساء'' پر گرامر کی جزئیات کی لایعنی بحث شروع کر دی۔ یہ بحث فاعل ومفعول، مذکر ومونث اور واحد وجمع پر ، حسب روایت سابقہ، صرف لفاظی کی مشق پر مبنی ہے اور ا ن گنت غیر ضروری حوالہ جات کے ذریعے ۱۱ صفحات سیاہ کر دیئے گئے ہیں۔ حالانکہ موضوع حسب سابقہ اب بھی مختصر ہی تھا۔ البتہ واضح ہو کہ ہر نئے مکتوب میں ایک نیا موضوع چھیڑ دینا اور سابقہ جاری شدہ استفسارات اور دلائل کو کسی منطقی انجام تک نہ پہنچنے دینا ، صرف موضوع سے فرار کے مترادف اور شکست تسلیم نہ کرنے کی ضد پر دلالت کرتا ہے۔ اس منفی رجحان کے برعکس ،راقم مدعے پر اتمام حجت کیلئے، مکتوب نگار سے پھر وہی سابقہ وضاحتیں طلب کرنا چاہے گا جو اس طرح ہیں:-

☆ ماء کے لفظی معنی سے کب انکار کیا گیا تھا؟

☆ اس لفظی معنی کی وکالت میں چھ عدد صفحات سیاہ کرنے کے پس منظر میں کیا مقصد کارفرما تھا؟ کیا اس بہانے صرف بے معنی بسیارنویسی کے جنون کی تسکین کی گئی تھی؟ یا یہ بھی اصل موضوع سے فرار تھا؟

☆آیات النساء:۴۳ اور المائدہ:۶ میں لفظ ''ما ء'' کا مفہوم استعاراتی اسلوب میں لینے سے انکار کس قانون کے تحت کیا گیا؟ جبکہ سیاق و سباق ایسے مفہوم کی تائید کر

رہا ہے؟

☆ اس انکار سے ، استعارے کا استعمال ترک کرتے ہوئے، آیا کہ:

۔ ۴/۱۰: ''یاکلون فی بطونہم النار'' کا ترجمہ ''وہ اپنے بطون میں آگ کھاتے ہیں'' کیا جائیگا؟

۔ ۲/۹۳: ''و اشربو فی قلوبہم العجل'' کا ترجمہ ''وہ اپنے دلوں میں گائے پی گئے تھے'' کیا جائیگا؟

۔ ۱۰۴/۶۔۷: ''نار اللہ الموقدہ التی تطلع علی الافئدہ'' میں مولائے کریم نے کیوں استعارے کے استعمال کا اسلوب سمجھاتے ہوئے اس مقام پرآگ کوجسم جلانے والی آگ کی بجائے، استعارتاً، محرومیوں اور پچھتاووں کی جلن و اذیت کا مترادف ٹہرایا؟ کیا اس طرح استعارہ قرآن کا ایک مستند اور مسلم اسلوب قرار نہ پا گیا؟

☆ اقبال کی اس شعری تشریح:

وہی دیرینہ بیماری وہی نامحکمی دل کی علاج اس کا وہی آب نشاط انگیز ہے ساقی

میں ''آب نشاط انگیز'' کیا ہے؟ ماء یا وحی الٰہی؟

یہ وہ سوالات ہیں جن کے جوابات گول کر دیے گئے۔ جو لفظ ''ماء'' کے مدعے پر حرف آخر ثابت ہوتے۔ نیز قرآن میں اکثر مقامات پر ''بلند استعاراتی اسلوب'' کے استعمال کا اثبات، یا اس اسلوب کی ممانعت ، کا سوال بھی طے پا جاتا۔مکتوب نگار نے حتمی فرار کی راہ اختیار کی۔ تاہم بسیار نویسی کی علت قبیحہ سے مجبور ہو کر مزید ۱۱ صفحات موضوع ثانی کی بے سود اور بلا ضرورت ''وضاحت'' میں سیاہ کر گئے۔ یہ وضاحت ایں جانب سے قبل ازیں بھی کی جا چکی ہے کہ ادارہ ھذا اس قماش کی آنکھ مچولی پر مبنی فضولیات میں شرکت کا کوئی پروگرام نہیں رکھتا اور نہ ہی اس کا مکلّف ہے۔ دو ٹوک انداز میں تفہیم کی خاطر مختصر اور راست سوال و جواب تک ہی محدود رہنا ہماری بنیادی پالیسی ہے۔ اس لئے کہ:

وقت فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے نور توحید کا اتمام ابھی باقی ہے

مکتوب نگار اب بھی نکتہ چینی کو ترک کر کے ذاتیات کے سوقیانہ انداز کو تبدیل

فرمائیں تو جو چاہے اناپ شناپ سپرد قلم کرتے رہیں، اس جانب سے کوئی تعرض کی نہ گنجائش ہے نہ فرصت۔ فتاویٰ اور لیبل بازی کے انداز کے جواب میں ان سے یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ:

رند خراب حال کو زاہد نہ چھیڑ تو تجھ کو پرائی کیا پڑی ہے اپنی نبیڑ تو

لیکن تفسیر ابن عباس کے یہودی واضع محمد بن السائب کلبی اور پارسی امام طبری (م۔۳۱۰ھ) کے یہ انتہائی وفادار اور سعادت مند پیروکار، مرد مجاہد، اسی یہودی تفسیر و ترجمے کو امت مسلمہ پر ٹھونسنے کے ''جہاد'' پر تلے کھڑے ہیں۔ خواہ اسکی پاداش میں عزت سادات بھی چلی گئی ، بادشاہت بھی جا چکی اور دین و دنیا بھی۔ حمیت و غیرت بھی قصہ پارینہ بن گئی اور کردار و شرافت بھی، علم و شعور بھی رخصت ہوا اور عزت نفس بھی۔ پھر بھی فرماتے ہیں کہ دیگر ''تراجم و تاویلات'' کو آج تک پذیرائی نہ ملی۔ پذیرائی تو آپ کے اس یہودی روایاتی ترجمے کو بھی بارگاہ ایزدی میں قطعا حاصل نہیں ہوئی۔ اسی لئے تو آپ ،حاملین روایات ،یہودی/نصرانی بھیک پر زندہ و تابندہ ہیں۔ غلامی اور محکومی کے ''مزے'' لوٹ رہے ہیں۔ اور بصد تکرار امت کو صرف ''عورت اور مباشرت'' کے شہوت پرستانہ فلسفے میں الجھائے بیٹھے ہیں۔ پینے والے پانی '' ماء'' سے تمام اخلاقی اور معاشرتی کمزوریوں کا علاج چاہتے ہیں! تمام تر تگ و تاز کی بنیاد آقاؤں سے ملنے والے بڑے بڑے بجٹ اور دیگر وسائل ہیں۔ کوئی لندن میں ہیڈ کوارٹر تعمیر کرتا ہے تو کوئی کراچی و لاہور میں بڑے بڑے اسمبلی ہال اور کوئی امریکہ میں عظیم الشان مساجد۔

آمدم بر سر مطلب ۔ قبل ازیں دو مرتبہ عرض کیا جا چکا ہے کہ لفظ ''نساء'' کے لفظی معنی پر کوئی اختلاف رائے نہیں پایا جاتا۔ بلا وجہ جو الجھن پیدا کی گئی ہے وہ استعاراتی استعمال کی خود ساختہ نفی ہے۔قبل ازیں اس عاجز نے اولین جواب (اگست ۲۰۰۹) میں مکتوب نگار سے سوال کیا تھا کہ آیات البقرہ:۹۴، اعراف: ۱۲۷ اور المومن:۲۵ میں ''نساء'' کا معنی عورت ثابت کر دکھائیں؟ مکتوب نگار اب تک ان آیات کو نظر انداز کرتے آئے ہیں اور بات کو الجھانے کی تگ و دو میں مصروف ہیں۔ موصوف ہی کے الفاظ استعمال کرتے ہوئے،

اس ''قلم کی آوارگی'' کا کیا جواز ہے؟ کیا راست بازی اور ادبی وصحافتی دیانت اس دنیا سے اٹھ گئی ہے؟ کیا ایک غلط موقف سے پسپائی کا خوف اعلیٰ ظرفی کی موت کا باعث بن چکا ہے؟ اگر ایسا نہیں ہے تو درج بالا اور ذیل کے سوالات کے جوابات دیں تاکہ موضوع کو لپیٹ دیا جا سکے:

۱۔ اردو زبان میں تحریر شدہ قرآنی الفاظ و اصطلاحات کے معانی کی بحث کو ''صحت و درستگی'' کے جائزے کے لئے بیروت یونیورسٹی کے غیر مسلم عرب اساتذہ کو بھیجنے کی'' نادر و اچھوتی تجویز'' کا ماخذ کونسی ذہنی اپج یا کیفیت تھی؟

۲۔ ڈاکٹر قمر زمان صاحب کی تحریر پر گرفت کی جو بے بنیاد کوشش کی گئی تھی، وہاں دیے گئے غلط قرآنی حوالہ جات اور خود ساختہ ترجمہ (المائدہ: ۴۸) کے ذریعے قارئین سے دھوکا دہی کی کوشش کس ذہنی بے ضابطگی کی علامت تھی؟

۳۔ تمام سابقہ الہامی کتابوں کو آلودہ متن قرار دینے کا کوئی بھی قرآنی ثبوت دے سکیں گے؟

۴۔ خود کو ''قول فیصل'' یعنی فتاوٰی جاری کرنے کے منصب پر فائز کر دینے کی آپ کے پاس کیا اتھارٹی ہے؟

۵۔ ''حقیقت الٰہ'' اور ''حقیقت وحی'' کے عرفان سے متعلق دعوٰی کی کیا بنیاد ہے؟ جبکہ آیات ۶/۱۰۳ اور ۱۷/۸۵ انسان میں اس قسم کے شعوری یا غیر شعوری تصرف کی ودیعت سے انکاری ہیں؟

۶۔ دوسروں کو تمیز و تہذیب کی نصیحت اور خود ''میاں فضیحت'' کیوں؟

۷۔ دشنام طرازی، لیبل بازی اور ذاتیات سے پر تحریر سے مضامین اور عنوان کی ابتداء کرنے کا کیا جواز تھا؟

کیا ہم اس وجہ سے آپ کے متعلق ایک پست رائے قائم کرنے میں آزاد ہیں؟ جو کہ ہم دل سے ہرگز نہیں چاہتے؟

آیئے اب قارئین کیلئے، موجودہ طویل خامہ فرسائی کا مختصرا تجزیہ کیے لیتے ہیں۔

بلاغ القرآن کے صفحہ ۲۳ پر ''لمستم النساء'' (النساء: ۴۳، المائدہ: ٦) کے ترجمے ''تم لوگوں کو کسی فکری کمزوری نے آلیا ہو'' کے ضمن میں جو طفلانہ بحث علامت فعل و مفعول کے ضمن میں کی گئی ہے، وہ صرف بغلیں جھانکنے اور ''ڈوبتے کو تنکے کا سہارا'' کے مصداق ہے۔ انداز یوں ہے گویا ترجمے میں کسی بھاری غلطی کی نشاندہی کی گئی ہو! بات صرف اتنی ہے کہ کسی بھی ایک زبان سے دوسری زبان میں متن کو منتقل کرنے کا عمل، اختلاف اسلوب بیاں کی رعایت کے تحت، پیرایہء اظہار کو کئی مقامات پر کسی قدر تبدیل کر دیا کرتا ہے۔ یہ ناگزیر عمل ہے اور اسمیں فاعل و مفعول اپنی جگہیں بدل بھی سکتے ہیں۔ اہمیت اس بات کی ہوتی ہے کہ معانی کی اصل و روح میں کوئی اختلاف یا بعد پیدا نہ ہونے پائے۔ سوال یہی ہے کہ ''تم کو فکری کمزوری نے لمس کیا'' یا ''تم نے فکری کمزوری کو لمس کیا'' دونوں صورتوں میں نفس معانی اور نفس مضمون کا کوئی فرق یا بعد پیدا ہوا یا نہیں؟ ظاہر ہے کہ بالکل نہیں۔ دوسرا اہم سوال جس کا جواب دے کر اس طویل مبحث کا فی الفور خاتمہ کیا جا سکتا ہے، یہ ہے کہ:

''کیا عورتیں ایک نجس اور ناپاک مخلوق ہیں؟ کیا واقعی عورتوں کا ''لمس'' یعنی ان کو چھو لینا (ظاہر ہے کہ یہاں مولائے کریم نے جنسی تعلق یا مباشرت کا ذکر تک نہیں کیا ہے) اتنی ناپاکی پیدا کر دیتا ہے کہ مرد حضرات جنابت کا شکار ہو کر طہارت کے مقتضی ہو جاتے ہیں؟''

یہ وہ سوال ہیں جو مکتوب نگار کے موقف پر مبنی یہودی ترجمے سے لازم آجاتے ہیں۔اور ظاہر ہے کہ ترجمہ قطعی بیہودہ ، غیر منطقی اور غیر معقول قرار پا جاتا ہے۔ مکتوب نگار دراصل ڈاکٹر قمر زمان پر نکتہ چینی کے جنون میں عقل و خرد سے ہاتھ دھو چکے ہیں۔ عقل سلیم سے اتنے تہی دست و محروم ہیں کہ ''لمس'' کو بھی ''مباشرت'' بنا دینا چاہتے ہیں۔ ''رفث'' (البقرۃ: ۱۸۷) کو قبل ازیں اسی یہودی شر انگیزی کے تحت بلاجواز ''مباشرت'' بنا چکے ہیں۔ مزید برآں ''تختانون انفسکم'' میں اس ''اپنے لوگوں کے ساتھ [خیانت]'' کو بھی ''عورتوں

کے ساتھ مباشرت'' کے ہوائی معنوں میں لے چکے ہیں!! اور یہ سب صرف اس لیے کہ ان مقامات پر ''النساء'' کا استعاراتی ترجمہ لاگو اور مسلم نہ ہو سکے!! نیز کسی بھی طرح ''عورت اور مباشرت'' کا موضوع ہمہ وقت مرکز نگاہ رہ سکے!! آہ بیچاروں کے اعصاب پہ عورت ہے سوار!۔ ایک طرف تو عربی زبان کے ساتھ دست درازی کا یہ عالم ہے۔ دوسری طرف اپنے تئیں اس زبان کا چمپیئن اور استاد ثابت کرنے کی تگ و دو میں صفحات کے صفحات سیاہ کیئے جا رہے ہیں۔

صفحہ ۲۴ پر سوال فرماتے ہیں ''آیت وضو میں نساء کے ساتھ 'ال' کے باعث آخر وہ کون سا محرک، سبب یا قرینہ ہے جس نے اسے یہاں ''فکری و نظریاتی کمزوری' کا استعاراتی یا مجازی مفہوم دے دیا۔۔۔ اور باقی جگہوں پر نہیں؟''

اس طفلانہ سوال کا جواب اتنا آسان ہے کہ لکھتے ہوئے جھجک محسوس ہوتی ہے۔ قرآن کا ہر طالب علم اور ہر تعلیم یافتہ انسان یہ بات جانتا ہے کہ اس بات کا فیصلہ صرف اور صرف متن کا سیاق و سباق (context) ہی کیا کرتا ہے کہ کہاں دونوں اسالیب میں سے کون سا اسلوب اختیار کیا جائیگا۔ سیاق و سباق تو یہ فیصلہ بھی کرتا ہے کہ جن ناموں کو ہم (proper names) قرار دے کر ترجمے نہیں کر پاتے، آیا ان کا بھی ترجمہ کر دینا چاہیئے یا نہیں، تاکہ مفہوم واضح ہو سکے! مثلا [البیت الحرام]، المسجد الحرام]، البیت العتیق]، [الصفا و المروۃ]، [بکۃ]، [شہر رمضان]، [قبلۃ]، وغیرہ وغیرہ۔

اس آفاقی اصول کے برعکس مکتوب نگار کی عقل و خرد کا یہ عالم ہے کہ یہودی تراجم کی نقالی میں جس جگہ ایک معنی چسپاں کر لیتے ہیں، قرآن کے تمام تر متن میں وہی معنی '' لکیر کے فقیر'' کے مصداق بند آنکھوں کے ساتھ فٹ کرتے جاتے ہیں! کیوں؟ اس لیے کہ آخر اندھی تقلید کی روش اجاگر رہنی چاہیئے! کیونکہ زمینی حقائق گواہ ہیں کہ اندھی تقلید کے دوام میں معاونت کرنے والوں پر بلا استثناء ہن برس رہا ہے۔ کروڑوں اربوں کے بجٹ ہیں۔ البتہ فرمان الٰہی یاد رہے کہ جو لوگ عقل سے کام نہیں لیتے ان پر گندگی تھوپ دی جاتی ہے! (۱۰/۱۰۰: ویجعل الرجس علی اللذین لا یعقلون)۔

یہ ادارہ البتہ معذرت خواہ ہے کہ مکتوب نگار کی مانند روایاتی انداز میں مکھی پر مکھی مارنا قرآنی تشریحات کے ضمن میں ہماری روش نہیں۔ بلکہ فرمان الٰہی ''الذین اذا ذکرو بآیات ربہم، لم یخرو علیہا صم وعمیانا'' (الفرقان :۷۳) کی پوری تعمیل پر کاربند ہیں۔

بعض جزئیات کے بارے میں ''توجہ نہیں فرمائی'' کی شکایت بھی کی گئی ہے۔ بہتر ہوگا کہ درج بالا متن میں دیکھیں کہ کن کن امور پر ''توجہ نہ فرماتے'' ہوئے جوابات کو گول کر دیا گیا ہے اور بحث کے فیصلہ کو جان بوجھ کر معلق کر دیا گیا ہے!

صفحات ۲۰ سے ۳۰ تک صرف اس استدلال کو جتلانے کی کوشش میں صرف ہوئے ہیں کہ طبقات اور معاشروں کا ذکر، علی الرغم ان میں شامل اصناف کے، کبھی مونث کے صیغوں میں نہیں ہوا ہے ، بلکہ ھم یا کم کی ضمائر استعمال ہوئی ہیں (بحوالہ الاحزاب:۳۵، الفتح:۶، المومن:۶۷ وغیرہم)۔ ظاہر ہے کہ موضوع محل نظر اور غیر متعلق ہے۔ پورے ۱۰ صفحات اس غیر متعلق مواد پر صرف کرنے سے مکتوب نگار کی ذہنی کج روی یا فاتر العقلی کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

بالآخر صفحہ ۳۱ پر بسیار نویسی کی بساط لپیٹتے ہوئے خود ساختہ ماحصل یہ نکالا گیا کہ النسا ء:۴۳، المائدہ:۶ اور البقرۃ: ۱۸۷ میں موجود لفظ النساء کا معنی عورتیں ہی ہے''۔ یعنی پرنالہ وہیں کا وہیں گرے گا۔ صفحہ ۲۹ پر البتہ اپنا از کار رفتہ ترجمہ جاری کیا ہے ۔ کچھ اس طرح:

''احل لکم لیلۃالصیام الرفث الی نسائکم، ھن لباس لکم و انتم لباس لھن''

(البقرۃ : ۱۸۶)

ترجمۃ فرماتے ہیں: ''صیام کی راتوں میں تمہارے لئے (لکم) تمہاری عورتوں (نسائکم) سے رغبت حلال (جائز) کر دی گئی، وہ (ھن) تمہارا لباس ہیں اور تم (انتم) ان کے (لھن) لباس ہو۔''

آئیے اب بادل نخواستہ، قارئین کے شرح صدر کیلئے، اس یہودی ترجمہ کی تحلیل بھی کر

گزرتے ہیں :

☆ یہاں لفظ 'لیلۃ' کا ترجمہ جمع کے صیغے کیساتھ 'راتوں میں' کس گرامر کے اصول کے تحت کیا گیا ہے؟ ۃ کا لفظ لیل کے ساتھ لگ جانے سے کیا لیل کی جمع کا صیغہ بن جاتا ہے؟ کیسے؟

☆ پھر لفظ لیل تو مذکر ہے، دیکھیں:

۱۔ ۸۹/۴: واللیل اذا یسر ۲۔ ۹۲/۱: والیل اذا یغشٰی ۳۔ ۹۳/۲: والیل اذا سجٰی

لہذا یہ ۃ تانیث کے لیے بھی نہیں ہوسکتی

☆ اور لیل کی جمع بھی ملاحظہ فرمائیں: ۸۹/۲: ولیال عشر ۔ آپ کیسے لیلۃ کو جمع کے صیغے میں لے سکتے ہیں؟

پھر لیلۃ کا عام روایاتی ترجمۃ بھی مضمون نگار کے ترجمے کی تائید نہیں کرتا۔ دیکھیں : ۳۔۲۔۱/۹۷: لیلۃ القدر، یعنی شب قدر، قدر کی رات ۔ راتیں نہیں! تو مکتوب نگار یہ جمع کا صیغہ کہاں سے لائے۔ ظاہر ہے کہ خود ساختہ ہے اور گرامر کو توڑ مروڑ کر اسی یہودی ترجمۃ کی اعانت کی کوشش ہے، کہ ''راتیں '' یہاں لائے بغیر، عورت اور مباشرت کیسے فٹ کیے جاتے؟ اصول تو یہ ہے کہ جب لیل کے ساتھ ۃ کی اضافت لگ جاتی ہے تو معنی میں وسعت اور شدت آ جاتی ہے اور لیل ایک تاریک دور بن جاتی ہے۔

☆ اور لیلۃ الصیام کا مطلب [الصیام کی تاریکی کا دور] بن جاتا ہے، یعنی وہ دور جب ظلم و تعدی کو روک دینے کی کوشش کا غیاب یافقدان ہو۔ بالکل ایسے ہی جیسے [لیلۃ القدر]قدر کی تاریکی کا دور ہے۔ یعنی قانون ، اصول کی روشنی کا موجود نہ ہونا۔ مکتوب نگار کے ترجمے کے مطابق تو یہ [قدر کی راتیں] ہونا چاہیے تھا!!

☆ آگے بڑھیے ، تو [الرفث] آتا ہے۔ یہاں اسے [رغبت] قرار دیا ہے۔ جبکہ جو ترجمہ علامہ مشرقی کے حوالے سے آخری صفحہ پر درج کیا گیا ہے وہاں اسی لفظ کا ترجمہ

[ہم بستری] دکھایا گیا ہے!! دوسرے مقامات پر یہودی ترجمہ اسے ''مباشرت'' بتاتا ہے؟ یہ پھر ایک کھلا تضاد ہے! جبکہ تضادات سے پاک حقیقت یہ ہے کہ [الرفث] کا یہاں معنی وہی ہے جو ڈاکٹر قمر زمان صاحب کی طرف سے واضح کیا گیا ہے۔

☆ باقی رہ گیا [لباس] کا معاملہ۔ تو ظاہر ہے کہ یہ استعارہ ہے۔ جسے آپ تسلیم کر رہے ہیں!! حضرت، باری تعالٰی نے یہاں اس [لباس] کے استعارے کو خود استعمال فرما کر آپ کی استعارے کے اسلوب سے روگردانی کی از خود ہوا نکال دی ہے۔

کچھ'' انگار خانہء جذبات'' کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ اور مکتوب نگار یہ ذکر کرتے ہوئے خود کے اندر فروزاں وہ آتش دروں فراموش کر بیٹھے ہیں جو عنوان کے لئے مختص کیے گئے الفاظ کی شکل میں ان کی دانش و بینش اور تہذیب و معاشرت کو عریاں کیے دے رہی ہے۔ ''لسانی الحاذ'' اور'' لغوی فساذ''، وغیرہ۔ ایسے آتشیں الفاظ سے تحریر کی ابتدا کرنے والا کیسے دوسری جانب سے سرد جذبات کا تقاضہ کر سکتا ہے۔ ہم ناچیز تو یہ سمجھنے میں حق بجانب ہیں کہ مکتوب نگار کا ارتقائی سفر جو تدریجی مراحل سے گذر رہا تھا، یقیناً ابھی طویل عرصہ کی تہذیبی اور علمی تربیت کا متقاضی ہے۔ اس لیے کہ سب سے زیادہ جس عنصر کی شعوری ارتقاء کیلیے حاجت ہوتی ہے، وہ استقرائی رویہ ہوتا ہے۔ افسوس کہ یہی رویہ غیر موجود ہے۔ اور استخراجی اثرات اس فراوانی سے حاوی ہیں کہ '' فرمے کو ٹوپی پر فٹ کرنے'' کا منفی رجحان تمام تر سوچ وفکر پر غالب اور تحریر میں بدرجہ اتم کارفرما نظر آتا ہے۔

مکتوب نگار کے حق میں دعا کرتے ہوئے یہی گزارش ہے کہ اندھی تقلید نے اگر شعور وتحقیق کا مادہ منجمد کر دیا ہے، تو کم از کم مالک کی عطا کردہ عقل سلیم ہی کی پرورش و پرداخت میں بیس تیس سال گزاریں، جب تک کہ شعور پختگی کی عمر کو نہ پہنچ جائے۔ اور اس عبوری دور میں قرآنی معنی کی دست برد کی طرف اٹھنے والے گستاخ ہاتھوں کو روکیں اور زبان کے زہریلے تیروں کو بھی لگام دیں۔ اور خدارا امت کو قرآن کے ذریعے جنسیات کے جنون میں مبتلا کرنے سے بچائیں کیونکہ ہم دنیا کے تمام معاشروں میں پہلے ہی اس ضمن میں کافی بدنام ہیں۔

ادارہ بلاغ القرآن سے بھی اس ضمن میں استدعا ہے کہ آپ انتہائی بیدار مغز اور عالی دماغ بزرگوں کی وراثت کے نگہبان ہیں۔ خدارا اپنی اس مقدس وراثت کو موجودہ دور کے ان 'نابغوں' کی طفلانہ خیال آرائیوں سے محفوظ رکھیں اور اس معاصر عزیز کو غیر جانبداری اور قرآنی شعور و حکمت کی بلندی کے لیے استعمال کریں۔ نہ کہ اس کے ڈسپلن کو جنسیات کی ایک گھٹیا کتاب بنانے والوں اور اللہ تعالٰی کی ذات کبریا کو مذاق کا نشانہ بنانے والوں کی معاونت کریں۔ صرف صفحات پر کرنے ہوں تو آج کے دور میں ویب سائٹوں پر ڈھیروں مواد دستیاب ہے۔